فکر و نظر--- اسلام آباد جلد:۴۲ شمارہ:۱

معین فقہی مسلک کا التزام - تحقیقی جائزہ

☆حافظ محمد سعد اللہ

دوسری تیسری صدی ہجری میں معروف فقہی مسالک-حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی-کی باقاعدہ تدوین وتشکیل، پھر بحث ومباحثہ اور تنقیح کی منازل طے کرلینے[۱]، دوسرے بوجوہ عالم اسلام میں ان مذاہب کے مقبول ہونے اور بالعموم ان کی تقلید اختیار کرلیے جانے[۱-الف] تیسرے جمہور علماء کی اس رائے کے بعد کہ یہ چاروں فقہی مسالک اصولی وبنیادی طور پر ایک، برحق اور یکساں ہیں اور سب کا مقصود احکام شریعت محمدیہ کی وضاحت اور اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت ہے۔[۱-ب] تو یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا تمام مسائل میں ان مسالک اربعہ میں سے کسی معین مسلک کی تقلید کا التزام شرعی اعتبار سے ضروری ہے؟ یا کسی بھی مسلک کی تقلید و پیروی کی جاسکتی ہے؟ اب یہ مسئلہ چونکہ شریعت کے قطعی محکم اور منصوص مسائل یا فرائض و واجبات اور ارکان اسلام کا مسئلہ نہیں تھا کہ اس پر کفر و اسلام اور حق و باطل کا دار و مدار ہو بلکہ یہ ایک اجتہادی اور ظنی مسئلہ تھا جو قرون اولی کے گزرنے اور معین فقہی مسلک کی تقلید کا عام رواج پا جانے کے بعد پیش آیا، اس لئے دیگر بے شمار اجتہادی وظنی مسائل کی طرح اس مسئلہ کے جواز و عدم جواز میں بھی فقہاء کا اختلاف واقع ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلے میں کتب فقہ میں متعدد اقوال منقول ہیں۔

زیرنظر مقالے میں فقہاء کرام کے انہی اقوال کی روشنی میں اس مسئلے کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے- اس سلسلے میں ہم پہلے ان اقوال کو درج کریں گے اور بعد ازیں ان کا تجزیہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے- معروف اصولی عالم علامہ سیف الدین آمدی فرماتے ہیں:

"واما اذا عین العامی مذهبا معینا کمذهب الشافعی او ابی حنیفة او غیره' وقال:انا علی مذهبه وملتزم له' فهل له الرجوع الی الاخذ بقول غیره فی مسألة من المسائل؟ اختلفوا فیه' فجوزه قوم نظرا الی ان التزامه لمذهب معین غیر ملزم له' ومنع من ذالک آخرون

والمختار انما هو التفصيل وهو ان كل مسألة من مذهب الاول اتصل عمله بها فليس له تقليدالغير فيها ومالم يتصل عمله بها فلامانع من اتباع غيره فيها"(۱-ج)

(اورجب عامی (غیرمجتہد) آدمی کسی معین فقہی مذہب مثلاً مذہب امام شافعی یا مذہب امام ابوحنیفہ یا کسی دوسرے امام کے مذہب کو متعین کرلے اور کہے کہ میں اس کے فقہی مذہب پرقائم اور اس کا التزام کرنے والا ہوں تو کیا اس کے لیے کسی مسئلہ میں اس امام کے سوا دوسرے امام کے قول کو اختیار کرنے یا اس کی طرف رجوع کرنے کا جواز ہے؟ تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ کچھ لوگوں نے یہ خیال کرتے ہوئے اس چیز (انتقال مذہب) کو جائز ٹھہرایاہے کہ اس کے کسی معین مذہب کو اپنے اوپر لازم ٹھہرانے سے وہ اس پر لازم نہیں ہوجاتا۔ جبکہ دوسرے کچھ لوگوں نے اسے منع کیا ہے کیونکہ اس مذہب کو لازم ٹھہرانے سے وہ اس کے لیے لازم ہو گیاہے جیساکہ وہ کسی معین حادثہ کے حکم میں مذہب کا التزام کرے تووہ اس کے لیے لازم ہوجاتاہے۔ اور مختار قول یہ ہے کہ اس میں کچھ تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ جس مسئلہ میں آدمی ایک مذہب پرعمل کر چکا ہو اس میں غیر مذہب کی تقلید اس کے لیے جائز نہیں اور جس مسئلے میں اس نے پہلے مذہب پرعمل نہ کیا ہو اس میں دوسرے مذہب پرعمل کرنے میں کوئی مانع نہیں)۔

مشہورمالکی عالم علامہ القرافیؒ نے اس سلسلے میں درج بالااقوال کو ہی آمدی کے الفاظ میں معمولی رد و بدل کے ساتھ نقل کیاہے۔(۲)

معروف حنفی فقیہ ابن ہمام اور ان کے شارحین ابن امیرالحاج اور امیربادشاہ نے مسئلہ زیربحث (مذہب معین کے التزام یا عدم التزام میں مختلف اقوال کو قدرے تفصیل سے بیان کیاہے۔ امیر بادشاہ فرماتے ہیں:

"اگرمقلد نے کسی معین مذہب مثلاً مذہب ابی حنیفہؒ یا مذہب شافعیؒ کااپنے اوپر التزام کر لیا تو کیا اس کو ہمیشہ اسی مذہب پرقائم رہنا بایں طورپر لازم آتاہے کہ وہ کسی مسئلہ میں بھی دوسرے امام کی تقلید نہ کر سکے یا نہیں؟ تواس سلسلے میں کہا گیا ہے (یعنی ایک قول یہ ہے) کہ اس کے لیے اس متعین کردہ مذہب پر ہیشگی (دوام) لازم ہے جیساکہ کسی معین

کیونکہ اس کے ازخود لازم ٹھہرانے سے کوئی چیز شرعاً لازم نہیں ہو جاتی۔ اس لیے کہ واجب وہی ہے جس کو اللہ اور اس کا رسول ﷺ واجب قرار دے اور اللہ تعالیٰ نے کسی پر یہ بات واجب نہیں کہ وہ اُمت میں کسی آدمی کے مذہب و مسلک کو اپنے اوپر لازم ٹھہرائے اور ہر پیش آمدہ معاملے میں صرف اسی کی تقلید کرے نہ کہ کسی دوسرے امام کی اور اس کا کسی مذہب کو لازم ٹھہرانا شرعی طور پر نذر نہیں کہ اس کا پورا کرنا واجب ہو اور ابن حزم نے کہا ہے کہ حاکم اور مفتی کے لیے کسی آدمی کی تقلید اس طرح جائز نہیں کہ وہ اس کے قول کے بغیر نہ فیصلہ کرے گا نہ فتویٰ دے گا اور ایک (تیسرا) قول یہ بھی ہے کہ کسی معین فقہی مسلک کا التزام کرنے والا بھی اسی آدمی کی مانند ہے جس نے کسی مسلک کو لازم نہیں ٹھہرا رکھا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس نے کسی مجتہد کی تقلید کرتے ہوئے کسی حکم پر عمل کر لیا تو اب عمل سے رجوع نہیں کرے گا۔ البتہ اس حکم کے علاوہ دوسرے حکم میں دوسرے امام کی تقلید کر سکتا ہے۔ (۳)

علامہ محبّ اللہ بہاری اور ان کے شارح علامہ عبدالعلی نے بھی اختصار کے ساتھ انہی تین اقوال کو ذکر کیا ہے۔ (۴)

امام زرکشی نے مسئلہ ہذا یعنی معین فقہی مذہب کے التزام اور اس سے انتقال کو نسبتاً تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مسئلہ کی وضاحت کے لیے اس تفصیل کا یہاں درج کرنا غیر مناسب نہیں ہوگا۔ چنانچہ اس مسئلہ میں مختلف علماء کے مذاہب آراء اور نقطہ ہائے نظر نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کیا ہر مسئلے میں عوام کے لیے کسی معین مذہب کا التزام ضروری ہے؟ اس سلسلہ میں دو قول ہیں۔ الکیاہراسی کہتے ہیں کہ ضروری ہے، اور ابن برہان کہتے ہیں کہ ضروری نہیں ہے۔ امام نوویؒ نے اوائل قضا میں اسی قول کو ترجیح دی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ نے کسی معین مجتہد کی تقلید نہ کرنے والوں پر نکیر نہیں فرمائی۔ امام مالکؒ کے زمانہ کے بعض خلفاء (منصور عباسی اور ہارون الرشید عباسی) نے ارادہ کیا تھا کہ تمام دنیا کے لوگوں کو امام مالکؒ کے مذہب پر جمع کر دیں تو امام مالکؒ نے انہیں اس سے روکا اور اس بات سے استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے علماء کو مختلف ممالک میں پھیلا کر علم کو دنیا

پابند نہ بناؤ کیوں کہ اس سے وہ تنگی میں پڑ جائیں گے، انہیں چھوڑ دو کہ وہ اہل علم کے مذاہب سے رخصت حاصل کریں اور مذاہب اربعہ کے ظہور سے قبل اسلاف جس کی چاہتے تھے پیروی کرتے تھے۔ نیز نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ وہ عزیمتوں پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہے۔ ابن منیر درمیانی راہ اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں: دلائل شرعیہ ائمہ اربعہ کے بعد مذہب معین کی اتباع کے لازم قرار دیے جانے کا تقاضا کرتے ہیں، ان سے قبل اس کا التزام ضروری نہیں تھا، فرق کی وجہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ سے پہلے فقہاء کے مذاہب مدون نہیں تھے، اسی طرح نئے واقعات و حوادث کی کثرت بھی نہیں تھی''۔(۵)

اس کے بعد امام زرکشیؒ الگ ''مسألة'' کا عنوان قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر کوئی شخص کسی معین مذہب کو اختیار کرلے مثلاً امام مالکؒ یا امام شافعیؒ کے مذہب کو اور اجمالی طور پر اس کے راجح ہونے کا اعتقاد رکھے تو کیا اس کے لیے جائز ہو گا کہ وہ بعض مسائل میں اپنے امام کی خلاف ورزی کرے اور کسی دوسرے مجتہد کا قول اختیار کرے؟ اس سلسلے میں چند اقوال ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ ایسا کرنا ممنوع ہے، فقیہ جیلی نے الاعجاز میں اسی قول پر جزم کیا ہے کیونکہ ہر امام کا قول ایک ایک واقعہ میں مستقل ہے لہذا دوسرے قول کی طرف منتقل ہونے کی بجز خواہشات نفس کی پیروی کے کوئی ضرورت نہیں ہے اور اس لیے بھی منع ہے کہ اس میں ''اتباع ترخص'' (مذہبی آسانیوں کی اتباع) اور دین کے ساتھ کھیل ہے۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جائز ہے اور رافعی میں اسی کو اصح کہا گیاہے کیونکہ صحابہ کرامؓ نے عوام کے لیے کسی معین مجتہد کو لازم قرار نہیں دیا ہے، کیونکہ تقلید کا جو سبب ہے یعنی امام مقلد (لائق تقلید) کا اجتہاد کی اہلیت سے متصف اور قابل تقلید ہونا، یہ اس کے اقوال کے اعتبار سے عام ہے اور مقلد کی عدم اہلیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس جواب کو عام رکھا جائے کہ وہ اہل ذکر (فاسئلوا اهل الذکر) میں سے جس سے چاہے رجوع کرے اور فتویٰ پوچھے اورکسی ایک مجتہد کے اجتہاد کی پیروی کو واجب قرار دینا اسلاف کے طریقہ کے خلاف ہے''۔(٦)

اس مسلک کی طرف منتقل ہونا اختیار اور ورع و تقویٰ پر مبنی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ اس کے مذہب کے مخالف قول کی دلیل صحیح ہے اور اپنے امام کے مذہب میں اس سے قوی دلیل یا اس کے مخالف راجح دلیل نہ پائے ان دونوں صورتوں میں دوسرے امام کی تقلید سے روکنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس کے بعد کہتے ہیں:

> ''واضح رہے کہ جہاں ہم نے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونے کو جائز کہا ہے تو وہاں اس کی شرط یہ ہے کہ اسے اس قول کے راجح ہونے کا اعتقاد ہو جس کی وہ اس مسئلہ میں تقلید کر رہا ہے اور اس بنیاد پر عوام کے لیے مطلقاً اجازت نہ ہوگی کیونکہ ایک عام آدمی اسے معلوم نہیں کر سکتا۔ (۷)

تیسرا قول یہ ہے کہ وہ شخص اس عام آدمی کی طرح ہے جس نے کسی متعین مذہب کا التزام نہ کیا ہو تو جن مسائل میں وہ اپنے امام کے مذہب پر عمل کر چکا ہو، ان میں دوسرے امام کی تقلید کرنا جائز نہیں اور جن مسائل میں اپنے امام کے قول پر عمل نہ کیا ہو، ان میں دوسرے امام کی تقلید کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ واقعات کے پیش آنے سے پہلے کسی متعین مذہب کی پیروی ضروری نہیں ہے اور اگر کوئی واقعہ پیش آیا اور اس میں کسی امام کی اتباع کی تو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ اس کے حق میں پیش آنے والے دیگر واقعات میں بھی اسی امام کی اتباع کرے، اسی رائے کو امام الحرمین نے اختیار کیا ہے۔

پانچواں قول یہ ہے کہ اگر اس شخص کو غالب گمان ہو کہ بعض مسائل میں اس کے امام کے قول سے دوسرے امام کا قول زیادہ قوی ہے تو اس کے لیے ان مسائل میں دوسرے امام کی تقلید کرنا جائز ہے، اس کے قائل امام قدوریؒ حنفی ہیں۔

چھٹا قول: اسے ابن عبدالسلام نے ''القواعد'' میں اختیار کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس مذہب کی طرف منتقل ہونا چاہتا ہے، آیا اس انتقال کیوجہ سے پہلے مذہب کا حکم ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ اگر پہلی صورت ہے تو اس کے لیے ایسے حکم کی طرف منتقل ہونا جائز نہیں جس سے حکم اول کا نقض لازم آئے، کیونکہ ایسا کرنا باطل ہے، اگر دونوں مذاہب کے مآخذ قریب قریب ہوں تو تقلید اور انتقال

ساتواں قول: جسے ابن دقیق العید نے اختیار کیا ہے، وہ یہ ہے کہ چند شرائط کے ساتھ اس کی اجازت ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ دوسرے قول پر عمل کرنے کے نتیجہ میں کوئی ایسی صورت لازم نہ آئے جس کے باطل ہونے پر دونوں مجتہدین کا اجماع ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جس مسئلہ میں اپنے امام کی تقلید کی ہے اس کی نوعیت ایسی نہ ہوکہ دوسرے قول پر عمل کرنے سے پہلے کا توڑ لازم آئے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ دوسرے کی تقلید پر اسے شرح صدر ہو۔[۸]

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

''امام نوویؒ نے فرمایاکہ دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ کسی مذہب کا التزام نہ کرے بلکہ رخصتوں کو تلاش کیے بغیر جس سے چاہے فتویٰ دریافت کرے، شاید جس نے اس سے منع کیا ہے اس نے عامی کے رُخص نہ تلاش کرنے پر اعتماد نہیں کیا اور جب اس نے کسی مذہب معین کا التزام کر لیا تو صحیح تر یہی ہے کہ اس سے خروج جائز ہے''۔[۹]

علامہ نابلسی نے امام ابوعبداللہ محمد بن عبدالملک البغدادی الحنفی کا یہ قول نقل کیاہے کہ:

''مقلد محض پر تمام مسائل میں کسی مجتہد کی اتباع لازم ہے۔ کسی بھی واقعہ میں اس کے لیے روا نہیں کہ وہ مجتہد کی تقلید کے بغیر عمل کرے اور اگر آدمی بعض مسائل میں مجتہد کا درجہ رکھتا ہو تو اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ مقلد محض کی طرح تمام مسائل میں مجتہد کی تقلید کرے اور ایک قول یہ ہے کہ جس مسئلے میں اجتہاد سے عاجز ہو صرف اس میں مجتہد کی تقلید کرے۔ اور کوئی مقلد جب کسی مجتہد کا قول اختیار کرنے کے بعد عمل کرچکے تو اس کے علاوہ دوسرے مسئلے میں دوسرے مجتہد کی پیروی کر سکتا ہے۔ آمدی اور ابن الحاجب نے بھی اسی طرح صراحت کی ہے''۔[۱۰]

شاہ ولی اللہؒ نے ایک دوسرے مقام پر التزام مسلک کے مسئلہ کو ذرا تفصیل سے لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

''اگر ایک مسئلہ میں ایک آدمی کسی فقیہ کی تقلید کرتا ہے تو کیا وہ دوسرے فقیہ کی طرف رجوع کر سکتا ہے؟ مسئلہ کی دو شکلیں ہیں۔ شکل اول اس نے کسی مذہب معین مثلاً مذہب ابی حنیفہ اور شافعی وغیرہ کا التزام نہ کیا ہو۔ شکل دوم اس نے التزام کرتے ہوئے کہا ہو

ہے کہ رجوع جائز ہے---
شکل دوم جس میں اس نے مذہب معین کا التزام کیا ہو۔ اس کے بارے میں علماء کے تین قول ہیں۔ مطلقاً جائز نہیں۔ مطلقاً جائز ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ حکم شکل اول و دوم میں برابر ہے۔ لہذا تقلید فقیہ اول سے کسی عمل میں تقلید کے بعد رجوع جائز نہیں"۔ (۱۱)

علامہ نابلسی التزام مسلک کے جواز و عدم جواز کے بارے میں فقہاء کے مختلف اقوال درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"جان لو کہ جمہور کا مذہب اور جسے ابن ہمام نے مختار قرار دیا ہے، یہ ہے کہ بنیادی و اصولی طور پر مسلک کا التزام واجب نہیں۔ بلکہ ہر ایک کے لیے جائز ہے کہ وہ ہر واقعہ میں جس مفتی سے چاہے فتویٰ پوچھے اور اس کے مطابق عمل کرے جیسا کہ صحابہ اور تابعینؒ کے عہد میں تھا۔ صاحب عقدالفرید نے امام نوویؒ سے جو نقل کیا ہے وہ بھی اسی قول کی تائید کرتا ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: جس چیز کا دلیل تقاضا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مذہب معین کے ساتھ متصف ہونا لازم نہیں بلکہ آدمی جس سے چاہے اور جس مفتی سے پوچھنے کا اتفاق ہو، فتویٰ پوچھے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اس سے فقہی مذاہب و مسالک کی رخصتیں تلاش نہ کرے۔ جن فقہاء نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے۔ شاید انہوں نے لوگوں کے مذاہب کی رخصتیں تلاش نہ کرنے پر اعتماد نہیں کیا"۔ (۱۲)

علاوہ ازیں متعدد علماء نے معین فقہی مسلک کے التزام یا عدم التزام کے مسئلے پر بحث کی ہے اور اس ضمن میں درج بالا اقوال سے ملتے جلتے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ ان تمام اقوال کو نقل کرنا خواہ مخواہ طوالت کا باعث ہوگا۔ چند مآخذ کا حوالہ میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ (۱۳)

عدم التزام کا موقف / رائے

گزشتہ تفصیل اور فقہاء کے اقوال و آراء سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ زیر بحث مسئلہ میں منقول تمام اقوال سے فقہاء کے دو اہم اور قابل ذکر موقف / آراء سامنے آتے ہیں۔ ایک موقف یا

چنانچہ جو فقہاء کرام کسی معین فقہی مسلک کا التزام شرعی طور پر ضروری نہیں سمجھتے، وہ اس سلسلے میں جو دلائل پیش کرتے ہیں، ان کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے کہ:

۱۔ کسی آدمی کے از خود اپنے اوپر کوئی چیز لازم ٹھہرانے سے وہ اس کے لیے لازم و واجب نہیں ہو جاتی کیونکہ اصل میں واجب وہی ہے جس کو اللہ اور اس کا رسول ﷺ واجب ٹھہرائے اور اللہ نے کسی پر یہ بات واجب نہیں ٹھہرائی گئی کہ وہ کسی آدمی کے مذہب کو اپنے اوپر یوں لازم ٹھہرا لے کہ وہ ہمیشہ اسی کی تقلید کرے۔(۱۴)

۲۔ مذاہب اربعہ کے ظہور سے قبل صحابہ و تابعین کسی ایک مجتہد و مسلک کے پابند نہ تھے۔ وہ جس سے چاہتے تھے فتویٰ لیتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ لہذا کسی ایک مجتہد یا معین فقہی مسلک کی پیروی کو لازم ٹھہرانا طریقہ اسلاف کے خلاف ہے۔(۱۵)

۳۔ خود ائمہ اربعہ میں سے کسی نے اپنی پیروی و تقلید کو لوگوں پر لازم ٹھہرانے کی خواہش تک نہیں کی مثلاً عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور اور پھر ہارون الرشید نے امام مدینہ امام مالکؒ بن انس سے جب ان کا فقہی مسلک تمام اسلامی ریاست میں نافذ کر دینے کی خواہش کا اظہار کیا تو آپ نے خلیفہ کی اس رائے سے اتفاق نہ کیا اور اسے ایسا کرنے سے سختی سے منع کر دیا۔ علاوہ ازیں ائمہ اربعہ سے متعدد اقوال منقول ہیں جن میں انہوں نے اپنی اندھی تقلید سے منع کیا ہے۔(۱۶)

۴۔ قرآن مجید میں مطلق حکم ہے کہ "اگر تمہیں کسی بات کا علم نہ ہو تو اہل الذکر سے پوچھ لو"(۱۷) یہ حکم مطلق و عام ہے اور کسی متعین عالم سے مسئلہ پوچھنے کا پابند نہیں کیا گیا۔

۵۔ کسی بھی فقہی مسلک کے التزام و وجوب کے قول میں لوگوں کے لیے حرج اور تنگی ہے جبکہ شریعت میں وسعت و آسانی اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف اُمت کے لیے رحمت ہے۔(۱۸)

۶۔ اللہ کریم نے کسی انسان کو اس امر کا مکلّف نہیں ٹھہرایا کہ وہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، زیدی، جعفری، اشعری، ماتریدی یا کسی دوسرے مذہب کی پابندی اختیار کرے۔(۱۹)

۷۔ بعض علماء نے القرافی کے حوالے سے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ:

"من اسلم فله ان يقلد من شاء من العلماء من غير حجر واجمع الصحابةؓ ان من استفتى ابابكر وعمر وقلدهما فله ان يستفتي اباهريرة وغيره ويعمل بقوله من غير نكير فمن

کی چاہے بغیر روک ٹوک کے تقلید کرے۔ صحابہ کرامؓ کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو آدمی حضرت ابوبکر و حضرت عمرؓ سے کوئی فتوی پوچھے اور اس میں ان کی تقلید کرے تو اس کے لیے حضرت ابوہریرہؓ یا کسی دوسرے صحابی سے فتوی پوچھنا اور اس پرعمل کرنا بھی بغیرکسی عیب کے جائز ہے جو آدمی ان مذکورہ دونوں اجماعوں کے خلاف دعویٰ کرے تو اس پر اس دعویٰ کی دلیل لانا لازم ہے)

۸۔ جب تمام ائمہ مجتہدین ہدایت اور حق پر ہیں تو ہر معاملہ میں کسی بھی امام اورفقہی مسلک کی تقلید کی جاسکتی ہے۔(۲۱)

۹۔ ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی نے زیربحث مسئلے میں مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد کسی معین فقہی مسلک کے التزام کے غیر ضروری اور غیر واجب ہونے کے قول کے راجح اور اصح ہونے پراس امر سے بھی استدلال کیاہے کہ متعدد فقہاء نے مذہب میں ضعیف قول پرعمل کرنے کو بھی جائز قرار دیا ہے اور پھر اس پر آٹھ کبار علماء و فقہاء کے فتاویٰ بطور ثبوت درج کیے ہیں۔(۲۲)

۹۔ شاہ ولی اللہمحدث دہلویؒ فرماتے ہیں: ”جب کسی مسئلہ میں صاحبین اور امام صاحبؒ کااختلاف ہوتومجتہدفی المذھب کواختیارہے کہ جو قول دلیل کے اعتبارسے زیادہ قوی ،تعلیل کے اعتبارسے قیاس کے زیادہ موافق اور لوگوں کے لیے زیادہ سہولت پیداکرنے والا ہواسے اختیارکرلے“۔ پھر شاہ صاحبؒ نے متعدد مثالیں بیان کی ہیں جن میں علماء احناف و شوافع نے اپنے اپنے امام کے قول کو چھوڑ کر دوسرے ائمہ کے قول کو اختیار کیا۔(۲۳)

عدم التزام کی رائے کا تجزیہ

کسی معین فقہی مسلک کی تقلید و التزام کے شرعی طور پر لازم و واجب نہ ہونے کے سلسلے میں اوپر جتنے دلائل دیئے گئے ، اُن کے بارے میں انتہائی ادب و احترام کے ساتھ ایک تو یہ گزارش کی جاسکتی ہے کہ اگر کوئی رائے یا حکم اپنے زمانے کے عرف اور مصالح پر مبنی ہو (جیسا کہ معین فقہی مسلک کے عدم التزام کے دلائل میں کہا گیا ہے کہ صحابہ کرام، تابعین اور خود بانیانِ مسالک ائمہ مجتہدین کے زمانے میں لوگ کسی ایک مجتہد و مسلک کے پابند نہ تھے۔ وہ جس سے چاہتے فتویٰ لیتے اورعمل کرتے تھے) اور پھر عادات و احوال زمانہ بدل جانے کی وجہ سے اس کے حکم میں تبدیلی قبول

شامی نے متعدد مقامات پر اس سلسلہ میں بڑی نفیس اور عمدہ بحث کی ہے۔ مثلاً اپنے معروف رسالہ "عقود رسم المفتی" میں حالات و زمانہ میں تبدیلی کے باعث احکام میں تبدیلی کی متعدد مثالیں شمار کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"—— فهذه كلها قد تغيرت احكامها لتغير الزمان اما للضرورة واما للعرف واما لقرائن الاحوال و كل ذالك غير خارج عن المذهب لان صاحب المذهب لوكان فى هذا الزمان لقال بها ولوحدث هذا التغير فى زمانه لم ينص علىٰ خلافها. (۲۳–الف)

تو ان سب احکام میں تبدیلی یا تو زمانہ میں تبدیلی کے باعث ہوئی ہے یا ضرورت کی بنا پر یا عرف کی بنا پر اور یا قرائن کی وجہ سے اور ان تمام صورتوں میں معین فقہی مذہب سے خروج نہیں ہوا' اس لیے کہ اگر اس زمانہ میں صاحب مذہب موجود ہوتے تو وہ بھی یہی کہتے اور اگر عرف و احوال کی تبدیلی ان کے زمانہ میں پیش آئی ہوتی تو انہوں نے بھی اس کے خلاف نہ کہا ہوتا۔

علامہ شامیؒ نے مختلف مواقع پر اس مسئلہ پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ یہاں ان سب کا نقل کرنا خاصی طوالت کا باعث ہوگا' لیکن ان کی ایک عبارت اگر اس موقع پر نقل نہ کی جائے تو موضوع کے ساتھ انصاف کا حق ادا نہ ہو پائے گا۔ اپنے رسالہ "نشرالعرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف" میں فرماتے ہیں:

"بہت سے ایسے مسائل ہیں جن کے بارے میں ایک مجتہد نے اپنے زمانے کے حالات و مصالح کے پیش نظر ایک حکم بیان کیا' لیکن زمانہ کے تغیرات کے سبب ان میں تغیر واقع ہو جاتا ہے کیونکہ نہ وہ اہل زمانہ رہتے ہیں جن کے عرف کا لحاظ کیا گیا تھا نہ وہ حالات و ضروریات باقی رہتے ہیں جن کے مصالح کی رعایت مدنظر تھی لہذا اگر اب بھی وہی احکام باقی رکھے جائیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ مشقتوں اور مضرتوں میں گرفتار ہو جائیں۔ نیز اس طرح شریعت کے ان قواعد اور اس کی عام ہدایت کی خلاف ورزی ہوگی جن کی بنیاد نظام زندگی کو بہتر بنانے کے لیے سہولت اور دفع ضرر پر رکھی گئی ہے۔

اس لیے تم دیکھتے ہو کہ بکثرت مسائل میں ایک ہی ملک کے فقہاء اپنے سابق مجتہد کے

اپنے ہی مسلک کے قواعد و اصول کی رو سے اس زمانے کے حالات و مقتضیات کے مطابق یہی احکام مقرر کرتے۔

مثال کے طور پر قدیم فقہاء نے تعلیم قرآن وغیرہ کا معاوضہ لینے کو ناجائز قرار دیا تھا لیکن اس کے بعد اس کے جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے کیونکہ صدر اول میں جبکہ عدم جواز کا فتویٰ تھا' معلمین کے لیے سرکاری طور پرعطیات باضابطہ مقرر ہوا کرتے تھے لیکن اس کے بعد یہ صورت حال نہ رہی۔ لہذا اگر وہی فتویٰ ہوتا اور معلمین بلا اجرت و معاوضہ تعلیم قرآن وغیرہ میں مشغول رہتے تو نہ ان کی جان محفوظ رہ سکتی اور نہ ان کے اہل و عیال زندہ رہ سکتے اور اگر یہ حضرات اکتساب معاش میں لگ جاتے تو لوگ قرآن اور دین سے بیگانہ رہتے اور قرآن و دین کا ضیاع ہوتا۔ اس لیے مابعد کے حنفی المسلک مجتہدین نے تعلیم القرآن' امامت اور اذان وغیرہ پر اجرت لینے اور بالمعاوضہ یہ خدمات سرانجام دینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ باوجودیکہ یہ فتویٰ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے متفقہ فتویٰ کے مخالف ہے"(۲۳-ب)

اصل عبارت یوں ہے:

"فکثیر من الاحکام تختلف باختلاف الزمان لتغیرعرف اهله اولحدوث ضرورة او فساد اهل الزمان بحیث لوبقی الحکم علی ماکان علیه اولاً للزم منه المشقة و الضرر بالناس ومخالف قواعد الشریعة المبنیة علی التخفیف والتیسیر و رفع الضرر و الفساد لبقاء العالم علی اتم نظام و احسن احکام و لهذا تری مشائخ المذهب خالفوا مانص علیه المجتهد فی مواضع کثیرة علی ماکان فی زمنه لعلمهم بانه لوکان فی زمنه لقال بما قالوابه اخذاً من قواعد مذهبه الخ"(۲۳-ج)

یہی بات مالکی مکتبہ فکر کے ممتاز فقیہ علامہ قرافی نے اس طرح کہی ہے:

"ان اجراء الاحکام التی مدرکها العوائد مع تغیر تلک العوائد خلاف الاجماع وجهالة فی الدین و کل ماهو فی الشریعة یتبع العوائد یتغیر الحکم فیه عند تغیر العادة الی ما تقتضیه العادة المتجددة ولیس تجدیدًا للاجتهاد من المقلدین حتی تشترط فیه اهلیة الاجتهاد بل هذه قاعدة اجتهد فیها العلماء فاجمعوا علیها نتبعهم فیها من

العادة اليه والفينا الاول لانتقال العادة عنه وكذلك الاطلاق فى الوصايا والايمان وجميع ابواب الفقه المعمولة على العوائد اذا تغيرت العادة تغيرت الاحكام فى تلك الابواب"(۲۳-د)

جن احکام کی اساس عرف و عادت ہو ان میں عرف کے تغیر کے باوجود انہی احکام کو باقی رکھنا اجماع کے خلاف ہے اور دین میں جہالت ہے' شریعت کے وہ تمام احکام جو عرف و عادت پر مبنی ہوں' عرف کے تغیر کے بعد نئے تقاضوں کے مطابق تبدیل ہو جائیں گے' یہ مقلدین کی طرف سے نیا اجتہاد نہیں کہ اس میں اجتہاد کی اہلیت مطلوب ہو بلکہ یہ ایک ایسا قاعدہ ہے جو اہل علم کے اجتہاد کا نتیجہ ہے اور اس پر ان کا اجماع و اتفاق ہے۔ ہم کسی نئے اجتہاد کے بغیر اس میں ان کی پیروی کر رہے ہیں۔ مقام غور ہے کہ چونکہ فقہاء نے اس پر اجماع کر لیا ہے کہ معاملات میں ثمن مطلق ہو تو زیادہ مروج سکہ مراد ہو گا' لہذا جب عرف ایک متعینہ سکہ کا تھا تو ہم نے اطلاق کو اس پر محمول کیا' پھر جب عرف و عادت میں تبدیلی آئی تو ہم نے اس نئے رواج کے مطابق ثمن کا مصداق متعین کیا اور تبدیلی رواج کی وجہ سے پہلی رائے کو چھوڑ دیا۔ یہی حکم وصیت اور یمین کا ہے' نیز دوسرے فقہی ابواب میں آنے والے مطلق احکام کی بابت ہے کہ وہ عرف پر محمول ہوں گے اور ان ابواب میں بھی عرف کی تبدیلی سے احکام تبدیل ہوں گے)

پس عرف اور مصالح زمانہ پر مبنی احکام میں تغیر درحقیقت اپنے مذہب سے عدول و انتقال نہیں بلکہ اس کے مقصد و منشاء کی تکمیل ہے۔ اسی طرح علماء متاخرین نے یہ فتویٰ دیا کہ یتیم کی جائیداد اور وقف شدہ جائیداد کے غصب کرنے والے پر اس منافع کا بھی تاوان لازم ہو گا جو جائیداد مغصوبہ سے حاصل ہوا ہے حالانکہ یہ فتویٰ مذہب حنفی کے اس قاعدے کے خلاف ہے کہ منافع کا تاوان واجب الادا نہیں۔ نیز متاخرین نے فتویٰ دیا کہ وقف شدہ اور یتیم کی سکنی جائیداد کو ایک سال سے زیادہ اور غیر سکنی کو تین سال سے زیادہ عرصے کے لیے کرائے پر دینا جائز نہیں۔ حالانکہ یہ فتویٰ مذہب حنفی کے اصل قاعدے کے خلاف ہے۔ پس یہ فتویٰ اسی اصول کی بنا پر دیا گیا کہ زمانہ بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں۔(۲۳-ہ)

رہتا تھا یعنی وہ بیع کو فسخ کر سکتا تھا۔ لیکن علماء متاخرین کے زمانے میں معماروں کا طرز تعمیر پہلے سے بدل گیا تھا اور وہ ایک مکان کے مختلف حصے مختلف طرز کے بناتے تھے' لہذا متاخرین علماء نے فتویٰ دیا کہ خریدار کے لیے مکان کا ہر حصہ دیکھنا ضروری ہے۔ ہاں اگر مکان کے تمام حصے ایک ہی طرز کے بنے ہوئے ہوں تو مکان کے تمام حصے کو دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ یہی فیصلہ "**مجلةالاحکام العدلیه**" کی دفعہ ۳۲۶ میں مذکور ہے۔"(۲۳-و)

زیر بحث مسئلے میں دوسری چیز یہ ہے کہ جن کبار فقہاء نے (جیسا کہ شروع میں گزر چکا ہے) معین فقہی مسلک کے التزام کو شرعی اعتبار سے واجب قرار دیا ہے، اُن کے بارے میں یہ تصور تو نہیں کیا جا سکتا کہ اُن کی نظروں سے یہ شرعی اصول اوجھل ہو کہ "اصل میں واجب وہی ہے جس کو اللہ اور اس کا رسول اللہﷺ واجب ٹھہرائے۔(جیسا کہ عدم التزام کے دلائل میں گزرا)، البتہ ایک بات سمجھ آتی ہے کہ اُن فقہاء کرام نے "**المرء یقیس علی نفسه**" کے مصداق اس وجوب کی نوعیت بتانے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔ اگر اس وجوب کی نوعیت بھی بتا دی جاتی تو شاید اس اختلاف کی نوبت ہی نہ آتی۔ اس اجمال کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ کسی شے کا واجب و لازم ہونا دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ قرآن و حدیث کی واضح نص میں خصوصیت کے ساتھ کسی امر کی تاکید ہو جیسے نماز روزہ وغیرہ ایسے وجوب یا لازمی ہونے کو وجوب بالذات کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس امر کی براہ راست تو کہیں تاکید نہیں آئی مگر جن امور کی قرآن و حدیث میں تاکید آئی ہے' ان امور پر عمل کرنا اس کے بغیر عادتاً ممکن نہ ہو اس لیے ایسے امر کو بھی واجب کہا جاتا ہے۔ مشہور فقہی قاعدہ وضابطہ "**مقدمة الواجب واجب**" (واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے) کا یہی مفہوم ہے۔(۲۴) جیسے قرآن و حدیث کا جمع کر کے لکھنا کہ شریعت میں قرآن و حدیث کو لکھنے کا کہیں حکم نہیں آیا۔ لیکن ان کو محفوظ رکھنے اور ضائع ہونے سے بچانے کی تاکید اور فضیلت وارد ہوئی ہے اور پھر انسانی یاداشت اور حافظہ کی بالعموم کمزوری کے باعث تجربہ اورعام مشاہدہ بھی یہی ہے کہ اگرقرآن و حدیث کو لکھا نہ جائے تو ان کا محفوظ رہنا عادتاً محال ہے۔ اس لیے قرآن و حدیث کی کتابت کو ضروری سمجھا گیا اور اس پر امت کا تواتر اور عملی اتفاق چلا آ رہا ہے۔ اسی طرح جن فقہاء نے مسلک معین کے التزام کو ضروری و واجب قرار دیا ہے تو اس سے ان کی مراد "واجب بالغیر" ہے نہ کہ "واجب بالذات" یعنی اس کے بغیر شرعی طور پر بعض مطلوب چیزوں کا حصول ممکن نہیں۔ اس کی مزید تفصیل

التزام کا موقف / رائے

زیر بحث مسئلے میں فقہاء کا دوسرا اہم موقف / رائے (جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے) تمام مسائل میں کسی معین فقہی مسلک کے التزام کا ہے اور ان کے نزدیک کسی معین فقہی مسلک کے التزام کو واجب ٹھہرانے کی سب سے بڑی وجہ یا دلیل یہ ہے کہ بے لگام خواہشات نفس کو کنٹرول کرنا شریعت میں ایک مطلوب امر ہے بلکہ اکثر احکام و عبادات مثلاً نماز، روزہ' زکوۃ وغیرہ کی فرضیت سے بڑا مقصود یہی تقویٰ یا خواہشات نفس پر قابو پانے کی تربیت دینا ہے یہ ''خواہش پرستی'' وہ زبردست گمراہی ہے جو بسا اوقات انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے' یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے بیشمار مقامات پر ''خواہش پرستی'' سے اجتناب کی تلقین فرمائی ہے' اور جگہ جگہ خبردار کیا ہے کہ کہیں یہ روگ تم میں پیدا نہ ہو جائے' قرآنی آیات و احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ ہے جو خواہش پرستی کی مذمت اور اس سے دامن بچانے کی تاکید کرتا ہے۔ جس کی تفصیل میں جانا یہاں مناسب نہیں۔

پھر ''خواہش پرستی'' بھی ایک تو یہ ہے کہ انسان برے کام کو برا اور گناہ کو گناہ سمجھتا ہے' مگر اپنے نفس کی خواہشات سے مجبور ہو کر اس میں مبتلا ہو جاتا ہے' یہ صورت ایک بہت بڑا جرم ہونے کے باوجود اتنی سنگین نہیں ہے' کیونکہ اس میں یہ امید رہتی ہے کہ انسان کسی وقت اپنے گناہوں پر نادم ہو اور توبہ کر لے' اس کے برعکس خواہش پرستی کی ایک صورت یہ ہے کہ انسان اپنی نفسانی خواہشات کی غلامی میں اس حد تک پہنچ جائے کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر ڈالے' دین و شریعت کو مذاق بنا ڈالے اور پھر اس کو گناہ بھی نہ سمجھے تو ظاہر ہے کہ خواہش پرستی کی یہ دوسری صورت پہلی صورت سے زیادہ سنگین' خطرناک اور تباہ کن ہے' اور جو عمل بھی انسان کو ایسی خواہش پرستی کی راہ پر ڈال سکتا ہو اس سے بچنا کتنا ضروری ہے' اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

تقلید کے حوالے سے فقہاء کرامؒ نے جب یہ محسوس فرمایا کہ لوگوں میں دیانت کا معیار روز بروز گھٹ رہا ہے' احتیاط اور تقویٰ اٹھتے جا رہے ہیں ایسی صورت میں قرون اولیٰ کی طرح اگر تقلید مطلق یا انتقال و عدول مذہب کی عام اجازت دے دی جائے تو بہت سے لوگ جان بوجھ کر اور بہت سے غیر شعوری طور پر خواہش پرستی میں مبتلا ہو جائیں گے' مثلاً ایک شخص کا سردی کے موسم میں

تھوڑی دیر بعد اگراس نے کسی عورت کو چھو لیا تو امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا وضو جاتا رہا' اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک برقرار ہے' اس کی تن آسانی اس موقع پر اسے امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کا سبق دے گی' اور پھر وہ بلا وضو نماز کے لیے کھڑا ہو جائے گا' غرض جس امام کے قول میں اسے آرام اور فائدہ نظر آئے گا اسے اختیار کرے گا' اور جس قول میں کوئی مضرت نظر آئے یا خواہشات کی قربانی دینی پڑے اسے چھوڑ دے گا اور ایسا بھی ہوگا کہ اس کا نفس اسی قول کی صحت کی دلیلیں بھی اسے سجھائے گا۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کی باتوں کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ احکامِ شرعیہ نفسانی خواہشات کا ایک کھلونا بن کر رہ جائیں گے' اور یہ وہ چیز ہے جس کے حرامِ قطعی ہونے میں آج تک کسی مسلمان کا اختلاف نہیں ہوا' علامہ ابن تیمیہؒ اسی چیز کی خرابیوں کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وقد نص الامام احمد وغيره على انه ليس لاحد ان يعتقد الشئى واجباً اوحراماً' ثم يعتقده غير واجب اومحرم بمجرد هواه مثل ان يكون طالباً لشفعة الجوار يعتقدها انها حق له ثم اذاطلبت منه شفعة الجوار اعتقدها انهاليست ثابتة 'او مثل من يعتقد اذاكان اخا مع جد ان الاخوة تقاسم الجد فاذا صارجدا مع اخ اعتقدان الجد لا تقاسم الاخوة... فمثل هذا ممكن يكون فى اعتقاده حل الشى وحرمته و وجوبه و سقوطه بسبب هواه هو مذموم مجروح خارج عن العدالة' و قدنص احمد وغيره على ان هذا لايجوز"(۲۵)

(امام احمدؒ وغیرہ نے تصریح فرمائی ہے کہ کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ محض اپنی خواہشاتِ نفس کے زیرِ اثر ایک چیز کو پہلے حرام یا واجب سمجھے اور پھر اسی کو جائز یا غیر حرام قرار دے دے' مثلاً جب وہ خود کسی کا پڑوسی ہو اور شفعہ کا دعویٰ کرنا چاہتا ہو تو (امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق) یہ مذہب اختیار کرلے کہ شفعہ کا حق پڑوسی کو ہوتا ہے' پھر جب کوئی دوسرا شخص پڑوسی کی وجہ سے اس پر شفعہ کا عویٰ کرے تو (امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق) یہ قول اختیار کر لے کہ شفعہ کا حق پڑوسی کو نہیں ہے' یا مثلاً ایک شخص کسی مرنے والے کا بھائی ہو' اور میت کا دادا بھی موجود ہو تو یہ مذہب اختیار کر لے کہ بھائی میراث میں دادا کے ساتھ شریک ہوتے ہیں' اور جب خود دادا بنے اور اس کا پوتا

پر کسی چیز کی حلت و حرمت یا وجوب و جواز کا فیصلہ کرتا ہو وہ انتہائی قابل مذمت اور دائرہ عدالت سے خارج ہے' اور امام احمدؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ یہ عمل ناجائز ہے۔

اور ایک دوسرے مقام پر تحریرفرماتے ہیں:

"یکونون فی وقت یقلدون من یفسدہ و فی وقت یقلدون من یصححہ بحسب الغرض والھوی ومثل ھذا لایجوز باتفاق الائمۃ"(۲۵-الف)

(اس قسم کے لوگ ایک وقت میں اس امام کی تقلید کرتے ہیں جو نکاح کو فاسد قرار دیتا ہے' اور دوسرے وقت میں اس کی جو اسے درست قرار دیتا ہے اور اس طرح کا عمل باتفاق امت ناجائز ہے)

پھرچند سطروں کے بعدلکھتے ہیں:

"ونظیرھذا ان یعتقد الرجل ثبوت شفعۃ الجواراذاکان طالباً لھا وعدم ثبوتھااذاکان مشتریاً 'فان ھذا لایجوزبالاجماع'وکذامن بنی علی صحۃ ولایۃ الفاسق فی حال نکاحہ وبنی علی فساد ولایتہ حال طلاقہ لم یجز ذلک باجماع المسلمین'ولوقال المستفتی المعین انا لم اکن اعرف ذلک وانا من الیوم التزم ذلک لم یکن من ذلک'لان ذلک یفتح باب التلاعب بالدین 'وفتح الذریعۃالی ان یکون التحلیل والتحریم بحسب الاھواء"(۲۶)

(اسی کی نظیر یہ ہے کہ ایک شخص جب خود طالب شفعہ ہو تو پڑوسی کے لئے حقِ شفعہ کا اعتقاد رکھے' اگر خود مشتری ہو تو اس کے ثابت نہ ہونے کا معتقد بن جائے' تو یہ باجماع ناجائز ہے' اسی طرح وہ شخص جو بحالتِ قیام نکاح فاسق کی ولایت درست ہونے کا قائل ہو (اور اس کی بنا پر نکاح سے فائدہ اٹھاتا رہے) مگر جب تین طلاقیں دے دے تو حرمتِ مغلظہ سے بچنے کے لیے فاسق کی ولایت کو کالعدم اور اس کے ماتحت منعقد شدہ نکاح کو فاسد قرار دے' تو یہ باجماع مسلمین ناجائز ہے اور اگر کوئی مستفتی یہ کہے کہ پہلے مجھے اس مذہب کی خبر نہ تھی اور اب میں اس کا معتقد اور پابند ہوں' تب بھی اس کا یہ قول قابل تسلیم نہیں' کیونکہ یہ دین کو ایک کھلونا بنانے کا دروازہ کھولتا ہے اور اس بات کا

جس مذہب میں نفسانی فائدہ نظر آئے اسے اختیار کر لینا اتنا بڑا جرم ہے کہ وہ کسی کے نزدیک جائز نہیں، اس موضوع پر قرآن و حدیث کی نصوص اور علماء امت کی تصریحات بے شمار ہیں، لیکن یہاں صرف علامہ ابن تیمیہؒ کی عبارات پر اس لئے اکتفا کیا گیا کہ جو حضرات تقلید شخصی یا مذہب معین کے التزام کے قائل نہیں ہیں وہ بھی ان کی جلالت قدر کو مانتے ہیں، مقصد یہ ہے کہ خود علامہ ابن تیمیہؒ بھی اگرچہ تقلید شخصی کے وجوب کے حامی نہیں ہیں، مگر اس کے باوجود یہ تسلیم فرماتے ہیں کہ اپنی خواہشات کے تابع ہو کر کبھی کسی کا اور کبھی کسی کا مذہب اختیار کر لینا باجماع امت ناجائز ہے۔

صحابہؓ و تابعینؒ کے زمانے میں چونکہ خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کا غلبہ تھا اس لئے اس دور میں ''تقلید مطلق'' سے یہ اندیشہ نہیں تھا کہ لوگ اپنی خواہشات کے تابع کبھی کسی مجتہد کا اور کبھی کسی مجتہد کا قول اختیار کریں گے، اس لیے اس دور میں ''تقلید مطلق'' یا انتقال مذہب پر بے روک ٹوک عمل ہوتا رہا اور اس میں کوئی قباحت نہیں سمجھی گئی، لیکن بعد کے فقہاء نے جب یہ دیکھا کہ دیانت کا معیار روز بروز گھٹ رہا ہے اور لوگوں پر نفسانیت غالب آتی جا رہی ہے تو اس وقت انہوں نے مذکورہ بالا دینی و انتظامی مصلحت یا ''سدذرائع'' کے طور پر یہ فتویٰ دیا کہ اب لوگوں کو صرف تقلید شخصی پر عمل یا ایک فقہی مسلک کا التزام کرنا چاہیے اور ''تقلید مطلق'' کا طریقہ ترک کر دینا چاہیے، یہ کوئی شرعی حکم نہیں تھا، بلکہ ایک انتظامی فتویٰ تھا، چنانچہ صحیح مسلمؒ کے شارح شیخ الاسلام علامہ نوویؒ معین مسلک کے التزام یا ''تقلید شخصی'' کے وجوب کی وجہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''ووجهه انه لوجازاتباع ای مذهب شاء لأفضی الی ان یلتقط رخص المذاهب متبعاً هواه ویتخیر بین التحلیل والتحریم والوجوب والجواز، وذلک یؤدی الی انحلال ربقة التکلیف بخلاف العصرالاول فانه لم تکن المذاهب الوافیة باحکام الحوادث مهذبة وعرفت: فعلی هذا یلزمه ان یجتهدفی اختیارمذهب یقلده علی التعیین''(۲۷)
>
> (اس ''تقلید شخصی'' کے لازم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس بات کی اجازت ہو کہ انسان جس فقہی مذہب کی چاہے پیروی کر لیا کرے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ لوگ ہر مذہب سے آسانیاں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اپنی خواہشات نفس کے مطابق ان پر عمل کیا کریں گے، حلال و حرام اور واجب و جائز ہونے کے احکام کا سارا اختیار خود لوگوں کو مل جائے گا اور بالآخر شرعی احکام کی پابندیاں بالکل کھل کر رہ جائیں گی، البتہ پہلے زمانہ میں تقلید شخصی اس

مذہب چن لے اور پھر معین طور سے اسی کی تقلید کرے)

اس میں علامہ نوویؒ نے جو یہ فرمایا کہ اگراس بات کی کھلی چھٹی دے دی گئی کہ جو شخص جب چاہے جس مجتہد کا چاہے قول اختیار کرلے تو اس کے نتیجہ میں یہ ہوسکتا ہے کہ حلال و حرام ایک ہو جائیں اور شرعی احکام کی پابندیاں بالکل اٹھ جائیں‘ اس کی وضاحت کے لیے عرض ہے کہ عہدصحابہؓ سے لے کر اب تک ہزار ہا فقہا و مجتہدین پیدا ہوئے ہیں اور اہل علم جانتے ہیں کہ ہرفقیہ کے مذہب میں کچھ ایسی آسانیاں ملتی ہیں جو دوسروں کے مذہب میں نہیں ہیں‘ اس کے علاوہ یہ حضرات مجتہدین غلطیوں سے معصوم نہیں تھے‘ بلکہ ہر ایک مجتہد کے یہاں دو ایک چیزیں ایسی ملتی ہیں جو جمہور امت کے خلاف ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔(۲۸)

اب اگر تقلید مطلق کی عام اجازت ہو اور ہر شخص کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ وہ جس مسئلے میں جس فقیہ کی چاہے تقلید کرلے تو اس قسم کے اقوال کو جمع کر کے ایک ایسا مذہب تیار ہوسکتا ہے جس کا بانی نفس اور شیطان ہوگا اور دین کو اس طرح خواہشات کا کھلونا بنا لینا کسی کے مذہب میں جائز نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت معمرؒ فرماتے ہیں:

”لوان رجلاً اخذ بقول اهل المدينة فی استماع الغناء واتيان النساء فی ادبارهن‘وبقول اهل مكة فی المتعة والصرف‘وبقول اهل كوفة فی المسكر كان شر عبادالله“(۲۹)

(اگر کوئی شخص غنا سننے اور وطی فی الدبر کے جواز میں بعض اہل مدینہ کا قول اختیار کرلے‘ متعہ اور صرف کے بارے میں بعض اہل مکہ کا قول اپنالے اور منشیات کے بارے میں بعض اہل کوفہ کے قول پر عمل کرے تو وہ اللہ کا بدترین بندہ ہوگا)

پھر یہ تو من مانے مذاہب اختیارکرنے کی بدترین مثالیں ہیں‘ لیکن تقلید شخصی کی پابندی سے آزاد ہونے کے بعد بعید نہیں کہ معمولی معمولی باتوں میں بھی انسان اس قسم کی خواہش پرستی میں غیر شعوری طور سے مبتلا ہو جائے۔ اسی بناء پر بعدکے فقہاء نے یہ فرمایاکہ اب تقلید شخصی کی پابندی ضروری ہے اور کسی ایک مجتہد کومعین کر کے ہر مسئلے میں اسی کی پیروی کی جائے‘ تاکہ نفسِ انسانی کو حلال و حرام کے مسائل میں شرارت کا موقع نہ مل سکے‘ علامہ عبدالرؤف مناویؒ نے اس مسئلے پر مبسوط بحث کی ہے‘ چنانچہ فقہاء نے جو تقلید شخصی کو لازم قرار دیا ہے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے وہ

(غالب یہ ہے کہ یہ پابندیاں اس لئے لگائی گئی ہیں کہ لوگوں کو (نفسانی خواہشات کی بنیاد پر) آسانیاں تلاش کرنے سے روکا جاسکے)

التزام کی رائے کا تجزیہ

زیربحث مسئلے میں کسی معین فقہی مسلک کو (سوائے واقعی ضرورت کے) لازم ٹھہرانے والے فقہاء کی رائے نقلی و عقلی اعتبار سے زیادہ وزنی لگتی ہے۔ کیونکہ اگر ہر انسان کو اپنی مرضی سے کسی بھی مسلک کی پیروی کی اجازت دے دی جائے تو اس میں بڑے مفاسد اور خرابیوں کا قوی امکان ہے۔ چنانچہ امام ابواسحاق شاطبیؒ مالکی نے اپنی کتاب ''الموافقات'' (جلد چہارم۔کتاب الاجتہاد۔المسالۃ الثالثہ) میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے کہ مختلف مذاہب سے آسانیاں تلاش کرکے ان پر عمل کرنا کیوں ناجائز ہے؟ اور اس سے کیا کیا مفاسد پیدا ہوتے ہیں؟ اتباع رخص کے مفاسد پر انہوں نے ایک مستقل فصل قائم کی ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے ایسے متعدد واقعات بھی نقل کیے ہیں جن میں لوگوں نے وقتی خواہشات کے لیے دوسرے مذاہب پر عمل کیا اور اس طرح قرآن و سنت کی تعمیل کے بجائے اپنی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنے' اسی ضمن میں وہ مالکیہ کے مشہور عالم علامہ مازریؒ کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ ان سے مالکی مذہب کے ایک غیرمشہور قول پر فتویٰ دینے کے لیے کہا گیا تو انہوں نے فرمایا:

"ولست ممن یحمل الناس علی غیر المعروف المشهور من مذهب مالکؒ واصحابه لان الورع قل بل کاد یعدم والتحفظ علی الدیانات کذلک'وکثرت الشهوات وکثرمن یدعی العلم ویتجاسر علی الفتویٰ فیه فلوفتح لهم باب فی مخالفة المذهب لاتسع الخرق علی الراقع وهتکواحجاب هیبة المذهب ' وهذا من المفسدات التی لاخفاء بها''[۳۱]

(میں لوگوں کو اس بات پر آمادہ نہیں کرسکتا کہ وہ امام مالکؒ اور ان کے اصحاب کے غیر مشہور اقوال پر عمل کریں۔ اس لیے کہ تقویٰ میں کمی آگئی ہے بلکہ تقریباً نایاب ہوچکا ہے اسی طرح دینداری کے تحفظ کا احساس کم ہو چکا ہے' لوگوں کی خواہشات بڑھ گئی ہیں' علم کے دعویداروں کی کثرت ہوگئی ہے' جو فتویٰ دینے کے معاملے میں نہایت جری ہیں' لہذا

گے اور یہ ایک ایسا مفسدہ ہے جس میں کوئی پوشیدگی نہیں)

علامہ شاطبیؒ مازری کا یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فانظر كيف لم يستجزوهوالمتفق على امامته الفتوىٰ بغير مشهور المذهب 'ولابغير مايعرف منه 'بناء على قاعدة مصلحية ضرورية' اذ قل الورع والديانة من كثير ممن ينتصب لبث العلم والفتوىٰ 'كما تقدم تمثيله فلوفتح لهم هذاالباب لانحلت عرى المذهب بل جميع المذاهب لان ماوجب للشئى وجب لمثله"(۳۲)

(ملاحظہ فرمایئے! علامہ مازریؒ کی امامت پر اتفاق ہے اس کے باوجود انہوں نے کس طرح اس بات کو ناجائز قرار دیا کہ مذہب مالکی کے غیر مشہور و معروف اقوال پر فتویٰ دیا جائے' ان کا یہ ارشاد مصلحت و ضرورت کے قاعدے پر مبنی ہے' کیونکہ تقویٰ اور دیانت بہت سے ان لوگوں میں بھی کم ہو گئی ہے جو علم اور فتویٰ کی نشر و اشاعت کے کام میں لگے ہوئے ہیں جس کی مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں' لہذا اگر ان کے لیے یہ دروازہ کھولا گیا تو مذہب مالکی بلکہ تمام مذاہب کی ایک ایک چول ہل جائے گی کیونکہ جو حکم ایک شے کے لیے واجب ہوگا وہ اس کی مثل کے لیے بھی واجب ہو گا)

اور علامہ ابن خلدونؒ تقلید شخصی کے رواج کے اسباب بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ووقف التقليد فى الامصارعند هؤلاء الاربعة ودرس المقلدون لمن سواهم وسدالناس باب الخلاف وطرقه لما كثر تشعب الاصطلاحات فى العلوم ولماعاق عن الوصول الى رتبةالاجتهاد ولماخشى من اسناد ذلک الى غيراهله ومن لايوثق برأيه ولابدينه فصر حوابا لعجز والاعواز وردوا الناس الى تقليد هؤلاء كل من اختص به من المقلدين وحظروا ان يتداول تقليد هم لمافيه من التلاعب"(۳۳)

(اور تمام شہروں میں تقلید ان ائمہ اربعہ میں محصور ہو گئی' دوسرے ائمہ کے مقلدین ختم ہوگئے اور لوگوں نے (ان ائمہ سے) اختلاف کا دروازہ بند کر دیا' جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ علوم کی اصطلاحات پیچیدہ ہو کر پھیل گئی تھیں اور اس کی وجہ سے اجتہاد کے مرتبے تک پہنچنا مشکل ہو گیا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ اجتہاد

بدل بدل کر تقلید کی جائے (یعنی کبھی ایک امام کی اور کبھی دوسرے امام کی) کیونکہ یہ طریقہ دین کے کھلونا بن جانے کا سبب ہوجاتا)

خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے دور میں دیانت عام تھی' جس پر اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی براہ راست تربیت اور فیض صحبت سے ان کی نفسانیت اس قدر مغلوب تھی کہ خاص طور سے شریعت کے احکام میں انہیں خواہشات کی پیروی کا خطرہ نہیں تھا' اس لیے ان حضرات کے دور میں تقلید مطلق اور تقلید شخصی دونوں پر عمل ہوتا رہا' بعد میں جب مذکورہ زبردست خطرہ سامنے آیا تو تقلید کو تقلید شخصی میں محصور کر دیا گیا اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو احکامِ شریعت کے معاملہ میں جو افراتفری برپا ہوتی اس کا تصور ہم مشکل ہی سے کر سکتے ہیں' چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

"واعلم ان الناس کانوا فی المائة الاولی والثانیة غیر مجتمعین علی التقلید لمذهب واحد بعینه وبعد المئتین ظهرفیهم التمذهب للمجتهدین باعیانهم وقل من کان لایعتمد علی مذهب مجتهد بعینه وکان هذا هوالواجب فی ذلک الزمان"[۳۴]

(اور جان لیجئے کہ پہلی اور دوسری صدی (ہجری) میں تمام لوگ کسی ایک معین مذہب کی تقلید (یعنی تقلید شخصی) پر مجتمع نہیں تھے اور دوسری صدی کے بعد ان میں ایک مجتہد کو معین کر کے اسی کے مذہب پر عمل کرنے کا رواج ہوا' یہاں تک کہ اس وقت ایسے لوگ بہت کم ہوں گے جو کسی ایک معین مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں اور اس زمانے میں یہی چیز واجب تھی)

اس پر بعض حضرات کو یہ شبہ ہونے لگتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک چیز صحابہ و تابعینؒ کے عہد میں تو ضروری نہ ہو' پھر بعد میں اسے ضروری قرار دے دیا جائے؟ اس اعتراض کا تسلی بخش جواب دیتے ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

"قلت: الواجب الاصلی هوان یکون فی الامة من یعرف الاحکام الفرعیة من ادلتها التفصیلیة اجمع علی ذلک اهل الحق ومقدمة الواجب واجبة'فاذاکان للواجب طرق متعددة وجب تحصیل طریق من تلک الطرق من غیرتعیین' واذاتعین له طریق واحد

صار يومنا هذا معرفة اللغة العربية واجبة لبعد العهد عن العرب الاول' وشواهد مانحن فيه كثيرة جداً'وعلى هذا ينبغي ان يقاس وجوب التقليد لامام بعينه'فانه قد يكون واجباً وقد لا يكون واجباً"(۳۵)

(اس اعتراض کے جواب میں میری گذارش یہ ہے کہ اصل میں تو واجب یہ ہے کہ امت میں ایسے افراد موجود ہوں جو شریعت کے فروعی احکام کو تفصیلی دلائل کے ساتھ جانتے ہوں' (تاکہ لوگ ان سے مسائل معلوم کر کے عمل کرسکیں) اس بات پر اہل حق کا اجماع ہے' لیکن واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے' لہذا اگر کسی واجب کی ادائیگی کے متعدد طریقے ہوں' تو ان طریقوں میں سے کسی بھی طریقہ کو اختیار کر لینے سے واجب کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے' لیکن اگر واجب پر عمل کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہو تو خاص اسی طریقے کا حاصل کرنا بھی واجب ہو جاتا ہے--- مثلاً ہمارے اسلاف حدیث نبوی ﷺ کو لکھتے نہیں تھے' لیکن ہمارے زمانے میں احادیث کا لکھنا واجب ہوگیا' اس لئے کہ اب روایت حدیث کی اس کے سوا کوئی اور سبیل نہیں رہی کہ انہی کتابوں کی طرف مراجعت کی جائے' اسی طرح ہمارے اسلاف صرف' نحو اور لغت کے علوم میں مشغول نہیں ہوتے تھے۔ اس لیے کہ ان کی مادری زبان عربی تھی' وہ ان فنون کے محتاج نہیں تھے' لیکن ہمارے زمانے میں عربی زبان کا علم حاصل کرنا واجب ہوگیا' اس لیے کہ ہم ابتدائی اہل عرب سے بہت دور ہیں اور اس کے شواہد اور بھی بہت سے ہیں (کہ زمانے کے تغیر سے ایک چیز پہلے واجب نہ ہو اور بعدمیں واجب ہوجائے) اسی پر کسی معین امام کی تقلید شخصی کو قیاس کرنا چاہیے' کہ وہ کبھی واجب ہوتی ہے اور کبھی واجب نہیں ہوتی)

چنانچہ اسی اصول پرآگے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

"فاذاكان انسان جاهل فى بلاد الهند وماوراء النهروليس هناك عالم شافعى ولامالكى ولاحنبلى ولاكتاب من كتب هذه المذاهب وجب عليه ان يقلد لمذهب ابى حنيفةؒ ويحرم عليه ان يخرج من مذهبه لانه حينئذ يخلع من عنقه ربقة الشريعة ويبقى سدىً مهملا' بخلاف ماذاكان فى الحرمين"(۳۶)

(پس اگر کوئی جاہل شخص ہندوستان یا ماورا النہر کے علاقے میں ہو اور وہاں کوئی شافعی'

گا' کیونکہ اس صورت میں وہ شخص شریعت کی پابندیاں اپنے گلے سے اتار کر بالکل آزاد اور مہمل ہو جائے گا' برخلاف اس صورت کے جبکہ وہ حرمین میں ہو (کہ وہاں وہ چاروں مذاہب میں سے کسی بھی مذہب کی پابندی کرسکتا ہے)

بعد کے فقہاء نے ''تقلید شخصی'' یا مذہب معین کے التزام کے ذریعہ جس عظیم فتنہ کا انسداد کیا' اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

''**وبالجملة فالتمذهب للمجتهدين سر الهمه الله تعالى العلماء وجمعهم عليه من حيث يشعرون اولايشعرون**''(۳۷)

(خلاصہ یہ کہ مجتہدین کے مذہب کی پابندی ایک راز ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے علماء کے دل میں ڈالا اور شعوری یا غیر شعوری طور سے ان کو اس پر متفق کر دیا)

شاہ ولی اللہ نے فی زمانہ معین فقہی مسلک کے التزام پر اور بھی کئی مقامات پر روشنی ڈالی ہے۔ مگر ان تمام کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔(۳۸)

برصغیر کے معروف فقیہ عالم مولانا اشرف علی تھانویؒ نے معین مسلک جسے دوسروں لفظوں میں ''تقلید شخصی' بھی کہا جاتا ہے' کے ترک کے متعدد مفاسد گنوائے ہیں' جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''تجربہ و مشاہدہ سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس وقت لوگوں کی طبیعتوں میں فساد اور غرض پرستی غالب ہے تو اگر تقلید شخصی نہ کی جائے تو تین صورتیں پیش آئیں گی:

۱۔ بعض لوگ اپنے کو مجتہد سمجھ کر قیاس کرنا شروع کریں گے۔ محض قرآن پاک اور حدیث کی کسی کتاب کا ترجمہ پڑھ کر یا چند عربی کے قواعد سیکھ کر اجتہاد کرنا شروع کردیں گے۔اخبارات و رسائل میں ایسے بہت سے اجتہادات شائع ہوتے رہتے ہیں جو اجماع کے بھی خلاف ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ بھی کہتے ہیں کہ تصاویر سے جو منع کیا گیا تھا تو اس کی علت یہ تھی کہ عرب ان کی پرستش کرتے تھے۔ اب لوگ سمجھدار ہوگئے ہیں اور وہ علت باقی نہیں رہی لہذا تصویرکشی کی حرمت بھی باقی نہ رہی۔ اس میں دوسرے اور چوتھے واجب (خواہش نفسانی پر دین کو غالب رکھنا--اہل حق کے اجماع کی مخالفت نہ کرنا) کا ترک ہوا''(۳۹)

۲۔ اجتہاد کو مطلقاً ناجائز سمجھ کر نہ خود اجتہاد کریں گے نہ کسی کے اجتہاد پر عمل کریں گے۔ صرف ظاہر

میں پھر عمل ہی نہ کریں گے۔ اس میں پانچویں واجب (دائرہ احکام شرعیہ سے نہ نکلنا) کا ترک ہو گا۔

ب) بعض احادیث کے جن کے ظاہری معنی پر عمل جائز نہیں اس پر عمل ہو جائے گا۔مثلاً

"وفی اخری لمسلم صلی الظهر والعصر جمیعاً والمغرب والعشاء جمیعاً من غیرخوف ولاسفر"

(مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر اور عصرایک ساتھ جمع کر کے اور مغرب اورعشاء ایک ساتھ جمع کر کے بغیر خوف اور سفرکے پڑھیں۔ حالانکہ بلا عذر حقیقتاً جمع کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں۔ اس سے مخالفت اجماع لازم آئے گی۔[۴۰]

۳۔ نہ خود اجتہاد کریں نہ ہر جگہ ظاہر حدیث پر عمل کریں بلکہ مشکل مسائل میں ائمہ کی بغیر تعیین کے تقلید کریں کبھی ایک مجتہد کے فتویٰ کو لے لیا اور کبھی دوسرے کے فتویٰ کو اس میں بھی دو خرابیاں ہوسکتی ہیں:

الف) بعض حالتوں میں اجماع کی مخالفت لازم آئے گی مثلاً ایک شخص نے وضو کیا پھر اس کے کہیں خون نکل آیا جس سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے تو اس نے کہا کہ امام شافعیؒ کا فتویٰ لیتا ہوں کہ خون نکلنے سے وضونہیں ٹوٹتا۔ اس کے بعد عورت کو شہوت سے ہاتھ لگایا جس سے امام شافعیؒ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اور کہا کہ اس میں امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ لیتا ہوں کہ اس سے وضونہیں ٹوٹتا اور بلاتجدید وضو نماز پڑھ لی۔ چونکہ بالا جماع اس کا وضو ٹوٹ چکا تھا لہذااس کی نماز باطل ہوئی۔ اس کے اس طرح کرنے سے اجماع کی مخالفت ہوئی۔

ب) بعض حالتوں میں گو اجماع کی مخالفت نہ ہوگی لیکن غرض پرستی کے غلبہ کی وجہ سے اس کا نفس مختلف مسائل میں اس قول کو لے گا جو اس کی خواہش نفسانی کے موافق ہو اور اس میں دنیوی غرض حاصل ہوتی ہو۔ لہذا اس قول کو دین سمجھ کرنہیں لے گا بلکہ خاص غرض یہی ہوگی کہ مطلب نکلے۔ تو یہ شخص دین کو خواہش نفسانی کے تابع رکھے گا جس سے دوسرے امر واجب (خواہش نفسانی پر دین کا غالب رکھنا) میں خلل پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے شخص کی عمل اور مسئلے کی تحقیق میں نیت یہی ہوگی کہ دنیوی غرض حاصل ہو جائے تو پہلا امر واجب (نیت کا خالص دین کے لیے ہونا) بھی چھوٹا اور جب ان چیزوں کی عادت پڑ جائے گی تو پھر دین کے

ضرورت کے وقت تلفیق / دوسرے مسلک پر عمل

جہاں تک واقعی ضرورت (۴۲) کے وقت کسی مسئلہ میں تلفیق یعنی معین فقہی مسلک چھوڑ کر دوسرے مسلک پر عمل کا تعلق ہے تو اس کے جائز ہونے پر اکثر لوگوں کا اتفاق ہے۔ چنانچہ فقہاء شوافع میں سے امام الزرکشیؒ نے نقل کیا ہے۔

"الثالثة ان يقصد بتقليده الرخصة في ما هومحتاج اليه الحاجة لحقته اوضرورة ارهقته فيجوزايضا الا ان اعتقد رجحان مذهب امامه ويقصد تقليدالاعلم فيمتنع وهوصعب والاولى الجواز"(۴۳)

(تیسری شرط یہ ہے کہ وہ رخصت یعنی انتقال الی المذہب کی پیروی ایسی صورت میں کر رہا ہو جس میں وہ کسی پیش آمدہ حاجت یا ضرورت کی وجہ سے اس کا محتاج ہو تو یہ صورت بھی جائز ہے۔ الا یہ کہ وہ اپنے امام کے مذہب کے راجح ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو اور نیت عالم تر فقیہ کی تقلید کی ہو تو ایسی صورت میں دوسرے فقیہ کے یہاں موجود رخصت کی پیروی جائز نہ ہوگی مگر یہ مشکل ہے اور صحیح تر رائے یہ ہے کہ اس صورت میں بھی جائز ہے)

زرکشی ہی نے امام نوویؒ کے فتاوی سے نقل کیا ہے کہ ان سے کسی مقلد مذہب کی بابت دریافت کیا گیا:

"هل يجوزله ان يقلدغيرمذهبه في رخصة لضرورة ونحوها ؟"

کیا اس کے لیے ضرورت وغیرہ کی بنا پر دوسرے مذہب کی رخصت کی تقلید جائز ہوگی؟

تو امام نوویؒ نے اس کا جواب اثبات میں دیا۔(۴۴)

فقہاء حنفیہ کے یہاں ایسے اقوال بھی صریحاً منقول ہیں جو ازراہ ضرورت دوسرے مذہب پر فتویٰ کو درست قرار دیتے ہیں اور عملاً ایسی جزئیات بھی موجود ہیں جن سے اس نقطۂ نظر کی تائید ہوتی ہے، خاتم الفقہاء علامہ شامی کا بیان ہے:

"والحاصل انه اذا اتفق ابوحنيفة ؒوصاحباه على جواب لم يجز العدول عنه

سے عدول جائز نہیں' البتہ ضرورت کی بنا پر جائز ہے)

"ممتدۃالطھر" عورت کی عدت کے سلسلہ میں فقہاء مالکیہ کی رائے ہے کہ نو ماہ کے اختتام پر اس کی عدت تمام ہو جائے گی۔ بزازیہ میں اسی قول پرفتویٰ دیا گیا ہے۔ شامی اسی ذیل میں فرماتے ہیں:

"نظیرعدة ممتدة الطهرالتی بلغت برویة الدم ثلاثة ایام ثم امتد طهرها فانها تبقی فی العدة الی ان تحیض ثلث حیض وعندمالک تنقض عدتها بتسعة اشهر وقدقال فی البزازیة الفتویٰ فی زماننا علی قول مالک وقال الزاهدی کان بعض اصحابنا یفتون به للضرورة"(۴۶)

(جس عورت کو تین دن خون آیا اور وہ بالغ ہوگئی' پھر اس کا طہر طویل تر ہوتا گیا' ایسی "ممتدۃالطھر" عورت تین حیض تک عدت میں رہے گی' امام مالکؒ کے نزدیک نو ماہ میں اس کی عدت پوری ہو جائے گی اور بزازیہ میں کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں امام مالکؒ کے قول پر فتویٰ ہے اور زاہدی کا بیان ہے کہ ہمارے بعض اصحاب ضرورت کی بنا پر اسی پر فتویٰ دیا کرتے تھے)

حنفیہ کے یہاں مدیون کی کوئی ایسی چیز حاصل ہوگئی جو دین کی جنس سے ہو تو وہ اپنا دین وصول کر سکتا ہے اگر خلاف جنس شے حاصل ہوئی ہو تو اس سے دین وصول نہیں کر سکتا' لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک وصول کر سکتا ہے اس پر علامہ حصکفی نے "المجتبیٰ" کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اس میں زیادہ وسعت ہے' لہذا ازراہ ضرورت اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ **"وهواوسع فیعمل به عندالضرورة"** شامی نے اس پر قہستانی سے یہ توجیہ نقل کی ہے:

"وان لم یکن مذهبنا فان الانسان یعذرفی العمل به عندالضرورة"(۴۷)

(گو ہمارا یہ مذہب نہیں مگر آدمی ضرورت کے مواقع پر اس پر عمل کرنے میں معذور ہے)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "عمدۃ الاحکام" کی "کتاب الکراہیت" سے نقل کیا ہے:

"سورالکلب والخنزیرنجس خلافا لمالک وغیره ولوافتی بقول مالک جاز"(۴۸)

(کتے اور سور کا جوٹھانا پاک ہے' بخلاف امام مالک وغیرہ کے تو اگر امام مالکؒ کے

و امراض پیدا ہو جانے کی صورت میں تفریق کا حق 'مفقود الخبر کی زوجہ کے لیے تفریق کا حق' تعلیم قرآن اور اذان و امامت پر اجرت' کمیشن ایجنٹ (سمسار) کا کاروبار وغیرہ کتنے ہی مسائل ہیں جن میں فقہاء متاخرین نے دوسرے مکاتب فقہ کی آراء سے فائدہ اٹھا کر امت کو مشقت سے بچایا ہے اور "اختلاف امتی رحمۃ" کا عملی ثبوت پیش کیا ہے۔(۴۹)

ضرورت کے وقت دوسرے مسلک پر عمل کرنے کی اجازت ماضی قریب کے متعدد علماء نے دی ہے' مثلاً:

۱۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ دوسرے مذہب پر عمل کی شرائط اور ان سے متفرع ہونے والے بعض مسائل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "اگر حنفی المذہب بر مذہب شافعی عمل نماید در بعضے احکام بیکے ازسہ وجہ جائز است اول آں کہ دلائل کتاب و سنت در نظر او دراں مسئلہ مذہب شافعی را ترجیح دہد۔ دوم آں کہ درضیقے مبتلا شودکہ گذارہ بدون اتباع مذہب شافعی نماندمثل احکام میاہ دریں دیاریا احکام مفقود۔ سوم آں کہ شخصے باشد صاحب تقویٰ و اور اعمل باختیار منظور افتد و احتیاط در مذہب شافعی یا بدمثل دادن صدقہ فطر زائد از قدر در آثار' یاگوشت طاؤس نخوردن وعلی ہذالقیاس لیکن دریں ہرسہ وجہ شرط دیگر ہم است و آں آنست کہ تلفیق واقع نشود"(۵۰)

اور ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب میں ہے: ایک مرید نے عرض کیا کہ اگر ضرورت کے وقت حنفی شافعی کے قول پر عمل کر لے یا کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کرے' کیا یہ صحیح ہوسکتا ہے؟ فرمایا کہ: اگر کوئی ضرورت شرعی مجبور کرے تو جائز ہے ورنہ نفسانی حیلہ کے تقاضے سے ایسا نہ کرنا چاہیے کہ مثلاً ایک امام کی تقلید کرتا ہے کسی مسئلہ میں عملاً دوسرے امام کا قول آسان اور سہل پایا' اس وقت اس کو ہی اختیار کر لیا' یہ بری بات ہے' میں نے اس کی تفصیل ایک فتوے میں لکھی ہے۔(۵۱)

۲۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ضرورت کے وقت غیر مفتی بہ روایت اور مذہب غیر پر عمل کا حکم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

> "ضرورت کے وقت روایت غیر مفتی بہ پر اور مذہب غیر پر عمل کرنا درست ہے اگرچہ اولیٰ نہیں' خصوصاً اضطرار وعموم بلویٰ میں کذا فی ردالمحتار' واللہ تعالیٰ اعلم.(۵۲)

اندیشہ نہیں مگر نفسانیت اور لذت نفسانی سے نہ ہو عذر یا حجت شرعیہ سے ہووے کچھ حرج نہیں۔ سب مذاہب کو حق جانے کسی پر طعن نہ کرے سب کو اپنا امام جانے فقط۔ (۵۳)

نیز ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

سوال: اگر حالت مرض و سفر وغیرہ میں جمع بین الصلاتین کرلے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ مسئلہ مقلد کا دوسرے امام کے مذہب پر عمل کر لینے کا ہے تو وقت ضرورت کے جائز ہے۔ عامی کو کہ اس کو سب کو حق جاننا چاہیے اگر اپنے امام کے مذہب پر عمل کرنے میں دشواری ہو تو دوسرے امام کے قول پر عمل کرلے۔ اس قدر تنگی نہ اٹھاوے کہ یہ موجب ضرر اور حرج دین کا ہوتا ہے فقط۔ (۵۴)

۳۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ نے تقلید شخصی کے وجوب پر ایضاح الدلالہ میں بڑی طویل بحث کی ہے اور تقلید شخصی پر اعتراضات کے جوابات دیے ہیں۔ اس بحث میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

''ہم تقلید شخصی کو تو اس زمانے میں ضروری کہتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہوں کہ جن اوقات میں قول غیر امام پر عمل کرنا حسب قول علماء درست ہے ان اوقات میں غیر کے قول پر عمل کرلے ہاں اپنی محض ہوائے نفسانی اور رائے سے یہ امر جائز نہیں''(۵۵)

۴۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا ایک قول مفتی محمد شفیعؒ نے یوں نقل کیا ہے:

''حضرت تھانویؒ نے ہم سے فرمایا کہ آج کل معاملات پیچیدہ ہو گئے ہیں اور اس کی وجہ سے دین دار مسلمان تنگی کا شکار ہیں۔ اس لیے خاص طور سے بیع و شراء اور شراکت وغیرہ جیسے معاملات میں جہاں عموم بلوی ہو وہاں ائمہ اربعہ میں سے جس امام کے مذہب میں عام لوگوں کے لیے گنجائش کا پہلو ہو اس کو فتویٰ کے لیے اختیار کر لینا چاہیے۔(۵۶)

حضرت موصوف ضرورت شدیدہ میں دوسرے مذہب پر عمل کرنے کے بارے میں ''حیلہ ناجزہ'' میں فرماتے ہیں:

''رہا یہ کہ فقہ حنفی پر کسی کو عدم کفایت کا سوال ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود فقہ حنفی میں بھی خاص شرائط کے ساتھ ایسی ضرورت شدیدہ میں دوسرے مجتہد کے قول پر عمل

بالضعیف ولاالافتاء به محمول علی غیر موضع الضرورة کماعلمته من مجموع ماقررناه" نیز شامی نے در مختار کے قول "ان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جهل" کے تحت لکھا ہے "قلت لکن هذافی غیرموضع الضرورة الخ" (ص ۷۷، ج ۱)(۵۷)

مولانا تھانویؒ زوجہ مفقود کے حکم کی بحث میں لکھتے ہیں:

"اور ہر چند کہ حنفیہ کا مذہب ازروئے دلیل نہایت قوی اور غایت احتیاط پر مبنی ہے مگر فقہاء حنفیہؒ میں سے بھی بعض متأخرین نے وقت کی نزاکت اور فتنوں پر نظر فرماتے ہوئے اس مسئلہ میں حضرت امام مالکؒ کے مذہب پر فتویٰ دے دیا ہے۔ جیسا کہ علامہ شامیؒ نے در منتقی سے قہستانی کا (جو چوتھی صدی کے مشائخ حنفیہ میں ہیں) قول نقل کیا ہے "لوافتی به فی موقع الضرورة لاباس به علی ماظن" (ص ۵۱۰، ج ۳) اور ایک عرصہ سے ارباب فتویٰ اہل ہند و بیرون ہند تقریباً سب نے اسی قول پر فتویٰ دینا اختیار کر لیا ہے اور یہ مسئلہ اس وقت ایک حیثیت سے فقہ حنفی ہی میں داخل ہوگیا۔ لیکن جب تک عورت صبر کر سکے اس وقت تک اصل مذہب حنفی پر عمل کرنا لازم ہے ہاں بوقت ضرورت شدیدہ کہ خرچ کا انتظام نہ ہوسکے یا بوجہ خوف معصیت کے بیٹھنا مناسب نہ سمجھا جاوے۔ اس وقت مذہب مالکیہ پر عمل کرنے میں مضائقہ نہیں اور ایسے ہی مواقع کے لیے یہ فتویٰ مرتب کیا گیا ہے مگر کسی مسئلہ میں دوسرے امام کا مذہب لینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں اس امام کے نزدیک جو شرطیں ہوں ان سب کی رعایت کی جاوے"(۵۸)

۵۔ علامہ انورشاہؒ کشمیری مفقود کے مسئلے میں فرماتے ہیں:

"ویحکم عندنابموته بموت اقرانه..واماعندمالک فینتظراربع سنین ثم یحکم بموته وبه یفتی علماء زماننا"(۵۹)

دوسری جگہ ایک سوال کے جواب میں افتاء بمذہب الغیر کی بنیاد ضرورت کو قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"دوسرے یہ کہ ضرورت پر مبنی ہیں اور ضرورت کا باب دوسرا ہے"(۶۰)

۶۔ مفتی محمد کفایت اللہؒ امام مالکؒ یا امام احمدؒ کے مذہب کے مطابق زوجہ مفقود کا حکم اور افتاء

سکتی ہے' اور اگر اس سے پہلے وہ نان نفقہ سے تنگ ہو اور کوئی صورت گزارے کی نہ ہو تو امام احمدؒ کے موافق عدمِ تیسر نفقہ کی بنا پر حکم فسخ حاصل کر سکتی ہے' حنفیہ بوقت ضرورت شدیدہ امام مالکؒ یا امام احمدؒ کے مذہب پر عمل کر سکتے ہیں"(۶۱)

۷۔ مفتی محمد شفیع افتاء بمذہب الغیر کے لیے ضرورت شدیدہ اور اضطرار کی شرط کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"قلت هذا رای المتقدمين من مشائخناالحنفية حيث لم يشترطوا الضرورة الشديدة والاضطرار...واما زماننا فهو اتباع الهوى واعجاب كل ذى راى برايه فتتبع الرخص متعين ومتيقن باعتبار الغالب الاكثر فلايجوز الابشرط الضرورة الشديدة وعموم البلوى والاضطرار"(۶۲)

۸۔ مفتی سید عمیم الاحسان فرماتے ہیں:

"وقد نصوا انه لاباس بتقليدغير امامه عندالضرورة لكن بشرط ان يلتزم جميع ما يوجبه ذالک الامام لان الحكم الملفق باطل بالاجماع ولهذا افتوا ببعض اقوال الامام مالکؒ ضرورة كما فى المفقود"(۶۳)

گزشتہ تمام تفصیل اور بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عصر حاضر میں معین فقہی مسلک کے التزام کا مؤقف نقلی اور عقلی دلائل کے اعتبار سے زیادہ وزنی اور احتیاط پر مبنی معلوم ہوتا ہے اور جہاں تک واقعی ضرورت کے وقت معین فقہی مسلک چھوڑ کر کسی دوسرے مسلک پر عمل کرنے کا تعلق ہے اور اس صورت میں اگر دوسرے مسلک پر عمل کو جائز نہ ٹھہرایا جائے تو فرد یا پورے انسانی معاشرے کے حرج اور تنگی میں پڑنے کا اندیشہ ہے جو شریعت اسلامیہ کی روح اور بنیادی و اصولی پالیسی کے خلاف ہے تو ایسی صورت میں التزام مسلک کو ضروری قرار دینے والوں نے بھی دوسرے مسلک پر عمل کرنے کو جائز ٹھہرایا ہے۔

حوالہ جات و حواشی

۱۔ دیکھیے: شیخ محمد خضری' تاریخ التشریع الاسلامی (اردو ترجمہ) ص ۲۴۲ و مابعد۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

ص ۴۴۹)

(ب) شاہ ولی اللہؒ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (اردو ترجمہ) ص ۲۳ تا ۳۰۔ محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء

(ج) صبحی محمصانی، فلسفۃ التشریع الاسلامی (اردو ترجمہ) ص ۵۱ تا ۶۹۔ ترقی ادب لاہور (طبع سوم) ۱۹۶۶ء

۱۔ب۔ تفصیل کیلئے دیکھئے:

(الف) الشعرانی، عبدالوہاب، المیزان الکبریٰ عالم الکتب، بیروت ۱۴۰۹ھ، ج۱ ص۵۵

(ب) دیکھئے: شیخ محمد خضری، تاریخ التشریع الاسلامی (اردو ترجمہ) ص ۴۲۹ وما بعد

(ج) شاہ ولی اللہؒ فیوض الحرمین (مشہد نمبر۱۰) ص ۹۰-۹۱، قرآن محل، کراچی ت-ن

(د) ایضاً، التفہیمات الالہیہ (مبشرہ نمبر۱۰) ج۲ ص۳۰۱۔ شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدر آباد سندھ ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

(ھ) ابن تیمیہؒ دالآمدی، مجموع فتاویٰ ج۲۰ ص ۲۹۳-۲۹۴۔ سعودی عرب، ۱۲۹۸ھ

۱۔ج۔ آلامدی، سیف الدین ابوالحسن علی (م ۶۳۱ھ): الاحکام فی اصول الاحکام ج۴، ص۲۰۵۔ مؤسسۃ الجلبی قاہرہ ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء

۲۔ القرافی ابوالعباس احمد بن ادریس المالکی (م۶۸۴ھ) نفائس الاصول فی شرح المحصول ج۹، ص ۳۹۶۲-۳۹۶۳۔ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ت-ن

۳۔(الف) امیربادشاہ: البخاری الحنفی، محمد امین (م۹۸۷ھ) تیسیرالتحریر علی کتاب التحریر لابن ہمام، ج۴ ص ۲۵۳۔ مصطفیٰ البابی، مصر ۱۳۵۱ھ

(ب) ابن امیرالحاج شمس الدین محمد (م۸۷۹ھ): التقریر و التحبیر فی علم الاصول ج۳ ص۴۶۸، دارالفکر بیروت ۱۴۱۷ھ / ۱۹۹۶ء

۴۔ (الف) محب اللہ بہاری (م۱۱۱۹ھ): مسلم الثبوت ج ۲ ص ۳۵۵۔ مکتبہ حسینیہ مصر ت-ن

(ب) علامہ عبدالعلی محمد بل نظام الدین (م۱۲۲۵ھ): فواتح الرحموت، شرح مسلم الثبوت، ج۲ ص۴۰۶۔ مطبع امیریہ بولاق مصر (الطبعۃ الاول) ۱۲۲۴ھ

۵۔ الزرکشی بدرین محمد بن بہادر الشافعی (م۷۹۴ھ): البحرالمحیط فی اصول الفقہ، ج۸، ص ۳۷۳-۳۷۴ دارالکتب قاہرہ ت-ن

۶۔ ایضاً، ص ۳۷۵

۱۰۔ عبدالغنی النابلسی (م۱۱۴۳ھ): خلاصة التحقیق فی بیان حکم التقلید والتلفیق' ص ۵، مکتبۃ الحقیقہ، استنبول ۱۴۰۵ھ / ۱۹۹۵ء

۱۱۔ شاہ ولی اللہ: عقدالجید بمع اردو ترجمہ' ص ۱۱۳۔۱۱۴

۱۲۔ النابلسی: خلاصة التحقیق' ص ۵۔۶

۱۳۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(الف) علامہ بنانی المغربی عبدالرحمٰن (م۱۱۹۸ھ): حاشیہ علی شرح المحلی علی متن جمع الجوامع للامام السبکی ج۲ ص ۳۹۹۔۴۴۰۔ مصطفیٰ الحلبی مصر (طبع ثانیہ) ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء

(ب) ابن قیم جوزیہ (م۷۵۱ھ)' اعلام الموقعین عن رب العالمین' ج ۴ ص ۲۶۱۔۲۶۲۔ مکتبہ التجاریہ مصر ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۵ء

(ج) الاسنوی جمال الدین عبدالرحیم بن الحسن (م۷۷۲ھ)' نہایةالسول فی شرح منہاج الاصول للبیضاوی' ج ۴ ص ۶۱۷ تا ۶۲۹۔ (مفصل بحث)

(د) الشوکانی' محمد بن علی بن محمد (م ۱۲۵۵ھ)' ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، ص۲۷۲۔ مصطفیٰ الحلبی مصر ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء

(ھ) شامی' ابن عابدین محمد امین (م۱۲۵۲ھ)' ردالمحتار علی الدررالمختار ج ۱ ص ۷۵۔ مصطفیٰ البابی مصر ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء

(و) احمد بن علی بن برہان البغدادی (م۵۱۸ھ)' الوصول الی الاصول ج ۲ ص ۳۶۹۔۳۷۰۔ مکتبۃ المعارف، ریاض، سعودی عرب ت۔ن

(ز) السفارینی محمد بن احمد (م۱۱۸۸ھ)' التحقیق فی بطلان التلفیق' ص ۱۰۲ تا ۱۰۶۔ دارالضمیعی، ریاض سعودی عرب ۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۸ء

(ح) احمد بن قاسم العبادی الشافعی (م۹۹۴ھ)' الآیات البینات، ج ۴ ص ۳۸۰ تا ۳۸۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ / ۱۹۹۶ء

(ط) الباجی' ابوالولید سلیمان بن خلف (م۴۷۴ھ) احکام الفصول فی احکام الاصول ص ۶۴۴۔۶۴۵۔

(ک) صفی الدین محمد بن عبدالرحیم الہندی (م۷۱۵ھ)' نہایۃ الوصول فی درایۃ الاصول ج ۸ ص ۳۹۱۹۔ مکتبہ التجاریہ مکہ مکرمہ ت-ن

(ل) نجم الدین الطوفی سلیمان بن عبدالقوی (م۷۱٦ھ)' شرح مختصر الروضہ' ج ۳ ص ٦۵۰ تا ٦۷۲ (مفصل بحث)۔ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۷ء

(م) غزالیؒ ابو حامد محمد بن محمد (م۵۰۵ھ) المستصفی من علم الاصول' ج ۴ ص ۱۵۳ تا ۱۵٦۔ مدینہ منورہ ۱۴۱۳ھ

(ن) شیخ محمد خضری' اصول الفقہ' ص ۳۲۰۔ المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر ۱۳۸۵ھ / ۱۹٦۵ء

(س) شیخ الاسلام زکریاؒ الانصاریؒ غایۃ الوصول شرح لب الاصول' ص ۱٦۰۔ مصطفیٰ البابی، مصر

(ع) الشعرانی عبدالوہاب بن احمد الشافعی (م۹۰۷ھ)' المیزان الکبریٰ' ج ۱، ص ۲۳'۳۴۔ عیسی البابی حلبی، مصر ت-ن

(ف) الشاطبی ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ (م۷۹۰ھ)' الموافقات فی اصول الشریعہ' ج ۴ ص ۷۲ تا ۸۴ (تفصیلی بحث)۔ مطبعۃ السلفیہ، مصر ۱۳۴۱ھ

(ت) ابن تیمیہ تقی الدین احمد بن عبدالحلیم (م۷۲۸ھ)' الفتاوی الکبریٰ' ج ۲ ص ۲۳۷ دارالکتب الحدیثیہ مصر، ت-ن

۱۴۔ دیکھئے:

(الف) امیر بادشاہ: تیسیر التحریر ج ۴ ص ۲۵۳ / ابن امیرالحاج' التقریر والتحبیر' ج ۳ ص ۳٦۸

(ب) الاسنوی: نہایۃ السول' ج ۴ ص ٦۱۸

(ج) محب اللہ بہاری: مسلم الثبوت ج ۲ ص ۳۵۵/عبدالعلیٰ فوتح الرحموت ج ۲ ص ۴۰٦

(د) النابلسی: خلاصۃ التحقیق' ص ٦

(ھ) ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی: الفقہ الاسلامی وادلۃ ج ۱ ص ۹۴۔ دارالفکر دمشق ۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۷ء

(و) ابن قیم: اعلام الموقعین ج ۴ ص ۲٦۳

۱۵۔ دیکھئے:

(ج) احمد بن علی بن برہان البغدادی: الوصول فی شرح المحصول ج ۲ ص ۳۶۷

(د) شاہ ولی اللہ: عقدالجید' ص ۱۴۴

(ھ) ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی: الفقہ الاسلامی وادلۃ ج ۱ ص ۹۴

(و) محبّ اللہ بہاری: مسلم الثبوت' ج ۲ ص ۳۵۴

۱۶۔ دیکھیے:

(الف) بدران ابوالعینین بدران: اصول الفقہ' ص ۴۸۷

(ب) النابلسی: خلاصۃ التحقیق ص ۷/ شامیؒ ردالمحتار ج ۱ ص ۶۸

(ج) شاہ ولی اللہ: عقدالجید بمع اردو ص ۱۴۲۔۱۴۳ / شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ' ج ۱ ص ۶۶۲، ۷۰۱۔۷۰۲۔ قومی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۶۶ء

(د) شاہ ولی اللہ: الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (اردو) ص ۲۲۔ علماء اکیڈمی، محکمہ اوقاف، پنجاب، لاہور ۱۴۰۱ھ

(ھ) ڈاکٹر فضل الٰہی' حکم الانکار فی مسائل الخلاف' ص۹۱۔۹۱۔ ادارہ ترجمان الاسلام، گوجرانوالہ ۱۴۲۰ھ

۱۷۔ سورۃ الانبیاء: ۷

۱۸۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(الف) الاسنوی: نہایۃ السول' ج ۴ ص ۶۱۸

(ب) ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی: الفقہ الاسلامی وادلتہ' ج ۱ ص ۹۴

(ج) النابلسی: خلاصۃ التحقیق فی بیان حکم التقلید والتلفیق ص ۷۔۸

(د) شامی' ردالمحتار ج ۱ ص ۶۸/الشعرانی' المیزان الکبریٰ ج ۱ ص ۴

۱۹۔ الاسنوی: نہایۃ السول' فی شرح منہاج الاصول للبیضاوی ج ۴ ص ۶۱۹

۲۰۔ دیکھیے:

(الف) شعرانی: المیزان الکبریٰ ج ۱ ص ۱۳۹

(ب) امیر بادشاہ: تیسیرالتحریر ج ۴ ص ۲۵۶

(ب) شعرانی: المیزان الکبریٰ ج ۱ ص ۷

۲۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی:الفقہ الاسلامی وادلتہ' ج ۱ ص ۹۵۔۹۶

۲۳۔ شاہ ولی اللہ: عقدالجید بمع اردو ترجمہ) ص ۸۲ تا ۸۹

۲۳-الف۔ ابن عابدین شامی: مجموعہ رسائل ابن عابدین (رسالہ عقود رسم المفتی) ج ۱ ص ۴۵

۲۳-ب۔ ابن عابدین شامی: مجموعہ رسائل ابن عابدین (رسالہ عقود رسم المفتی) ج۲ ص۱۲۵۔۱۲۶'

۲۳-ج۔ ایضاً

۲۳-د۔ القرافی: الاحکام فی تمیزالفتاویٰ عن الاحکام۲۳۱' بحوالہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی: مقالہ ''دوسرے مذاہب پرفتویٰ'' مجلّہ بحث ونظر شمارہ ۲۷ پھلواری شریف، پٹنہ، شمارہ نمبر ۲۷

۲۳-ہ-(الف) شامی: مجموعہ رسائل، ج ۲ ص ۱۲۶، ڈاکٹر صبحی محمصانی: فلسفۃ التشریع الاسلامی' (اردو ترجمہ) ص ۲۴۶

۲۳-ح۔ ایضاً

۲۴۔ شاہ ولی اللہ: الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (اردو) ص ۷۱

۲۵۔ ابن تیمیہ: الفتاویٰ الکبریٰ ' ج ۲ ص ۲۳۷

۲۵۔الف۔ ایضاً، ص ۲۸۵

۲۶۔ نفس المصدر

۲۷۔ امام نووی محی الدین یحیی ابن شرف (م۶۷۶ھ): المجموع شرح المہذب لابی اسحاق الشیرازیؒ ج ۱ ص ۵۵' مقدمہ فصل فی آداب المستفتی' مسئلہ نمبر۳' دارالفکر ت-ن

۲۸۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سعیدالبانی عمدۃ التحقیق فی التقلید والتلفیق مکتب الاسلامی، بیروت ۱۴۰۱ھ' ص ۱۲۰ / شاہ ولی اللہ: عقدالجید' ص ۱۰۷۔۱۰۸

۲۹۔ شاہ ولی اللہ: عقدالجید(بمع اردوترجمہ)' ص ۱۰۸

۳۰۔ فیض القدیر' شرح الجامع الصغیر 'للمناویؒ' ج ۱ ص ۲۱۱ 'حدیث ''اختلاف امتی رحمۃ'' (بحوالہ مولانا تقی عثمانی: تقلید کی شرعی حیثیت ص ۶۸۔دارالعلوم کراچی (طبع جدید) ۱۴۱۹ھ / ۱۹۹۹ء

۳۳۔ (الف) ابن خلدون' مقدمہ' ص۴۴۸' کتاب نمبرا باب نمبر۶ (بحوالہ مولانا تقی عثمانی' تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۷
(ب) ماہنامہ چراغ راہ کراچی' اسلامی قانون نمبر' ج ۱ ص ۳۳۵

۳۴۔ شاہ ولی اللہ: الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (اردو) ص ۵۸۔۵۹ باب ۴

۳۵۔ ایضاً' ص ۷۱۔۷۲

۳۶۔ ایضاً' ص ۷۲

۳۷۔ ایضاً' ص ۶۳۔۶۴

۳۸۔ حجۃ اللہ البالغہ جلد اوّل، عقد الجید اور الانصاف میں یہ مباحث موجود ہیں۔

۳۹۔ تھانوی' مولانا اشرف علی (م ۱۹۴۳ء): الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد: ص ۳۴، ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور ۱۹۹۸ء

۴۰۔ ایضاً: ص ۳۷

۴۱۔ ایضاً ص ۳۸

۴۲۔ علامہ شاطبی نے "الموافقات" جلد دوم کے آغاز میں ضرورت کی تعریف کو یوں بیان کیا ہے: "الضروریة: معناهاانها لابدمنهافی قیام مصالح الدین والدنیا بحیث اذا فقدت لم تجرمصالح الدنیاعلی استقامة بل علی فساد وتهارج فوت حیاةوفی الآخرة فوت النجاة والنعیم والرجوع بالخسران المبین" الموافقات ج ۲ ص ۴
پھر علامہ شاطبیؒ نے اس ضرورت کی پانچ اقسام گنوائی ہیں: حفاظت دین' حفاظت جان' حفاظت النسل' حفاظت عقل' اور حفاظت مال(ایضاً)

۴۳۔ الزرکشی: البحرالمحیط ج۸' ص ۳۷۹۔ دارالکتب قاہرہ، ت۔ن

۴۴۔ ایضاً ص ۳۸۲

۴۵۔ ابن عابدین شامی: مجموعہ رسائل ابن عابدین' رسالہ عقود رسم المفتی' ج ۱ ص ۲۶۔ سہیل اکیڈمی، لاہور ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء

۴۶۔ ابن عابدین شامی: ردالمحتار۳/۳۳۰۔ بحوالہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی: مقالہ دوسرے مذاہب پر فتوی' مجلہ بحث ونظر' شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۴ء ص۳۸، پھلواری شریف، پٹنہ، انڈیا

۴۷۔ ردالمحتار۳ ص ۲۰۰ (بحوالہ بالا' ص ۳۹)

ج ۱ ص ۱۳۔۱۴۔۲۵۔۴۹‘ اور رسالہ شفاء العلیل‚ ۱۵۳ تا ۱۶۱

۵۰۔ شاہ عبدالعزیز: فتاویٰ عزیزیؒ ج:۱‘ ص۱۹۴، مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۳۱۱ھ

۵۱۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ مطبوعہ پاکستان‘ ص۹۰‘ بحوالہ احسن الفتاویٰ ج ۱ ص ۴۲۰‘ از مفتی رشید احمد۔ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، طبع سوم ۱۹۰۵ء

۵۲۔ مولانا رشید احمد گنگوہی: فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۰۰۔ قرآن محل، کراچی، ت-ن

۵۳۔ ایضاً ص ۶۳

۵۴۔ ایضاً ص ۲۸۶

۵۵۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن: ایضاح الادلہ ص ۱۹۵۔ مطبع ہاشمی، میرٹھ (طبع قدیم) ت-ن

۵۶۔ ماہنامہ البلاغ کراچی‘ مفتی اعظم نمبر ص ۴۱۹

۵۷۔ مولانا اشرف علی تھانوی‘ حیلہ ناجزہ‘ ص ۱۴۔۱۵، دارالاشاعت کراچی (طبع اوّل) ۱۹۸۷ء

۵۸۔ ایضاً ص ۶۰

۵۹۔ علامہ محمد انور شاہ: فیض الباری‘ ج ۴‘ ص ۳۲۲

۶۰۔ علامہ انور شاہ کشمیری‘ ملفوظات محدث کشمیری‘ ص: ۲۲۴

۶۱۔ مفتی کفایت اللہ: کفایت المفتی‘ ج ۶‘ ص ۲۱۳، مکتبہ امدادیہ، ملتان ت-ن

۶۲۔ مفتی محمد شفیع: جواہرالفقہ‘ ج ۱‘ ص ۱۶۶۔ مکتبہ دارالعلوم، کراچی ۱۹۹۹ء

۶۳۔ مفتی عمیم الاحسان: قواعد الفقہ /ادب المفتی ص ۵۷۶۔ الصدف پبلشر کراچی، طبع اوّل، ت-ن